هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ رجسٹرڈ ایل نمبر ۲۲۹۶

ایڈیٹر: شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی

فاروق

تحریک جدید کا اخبار

قادیان

شرح چندہ پیشگی

تاریخہائے اشاعت:۔ ہر انگریزی ماہ کی ۷-۱۴-۲۱-۲۸

Digitized by Khilafat Library Rabwah

جلد ۲۵ | قادیان دارالامان مورخہ ۱۸ ذوالحجہ ۱۳۵۸ھ مطابق ۲۸ ماہ صلح ۱۳۱۹ ہش مطابق ۲۸ جنوری ۱۹۴۰ء | نمبر ۴

سیدنا حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کا نہایت ضروری تازہ ارشاد

تحریک جدید سال ششم کے وعدے پیش کرنیکی آخری تاریخ ۱۵ فروری ۱۹۴۰ء ہے

حضور ایدہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ کہ:۔

"چونکہ چندہ تحریک جدید سال ششم کے وعدوں کے متعلق پورے طور پر اشاعت نہیں ہو سکی۔ اسلئے اعلان کر دیا جائے کہ تحریک جدید سال ششم کے وعدوں کی آخری تاریخ ۱۵ فروری ۱۹۴۰ء ہے"۔ ہر جماعت جس نے تاحال اپنی فہرست مکمل کر کے حضور کے پیش نہیں کی ہے۔ اور وہ افراد جو اپنے وعدے براہ راست پیش کرتے ہیں۔ انہیں اس موقعہ کو غنیمت سمجھنا چاہیئے۔ اور تحریک جدید کے "جہاد کبیر" میں حصہ لیکر اپنا مال راہ خدا میں اشاعت اسلام و اشاعت احمدیت کے لئے قربان کرنا چاہیئے۔ احباب بھول نہ جائیں کہ ایسے دوست جنہوں نے سال پنجم کا چندہ ابھی ادا نہیں کیا۔ اور مہلت لے چکے ہیں۔ یا مستقبل قریب میں ادا کرنیوالے ہیں۔ ان کو بھی سال ششم کا وعدہ کرنے کی اجازت ہے۔ وہ جن کے دل میں خدا تعالےٰ نے دین کی محبت پیدا کی ہے۔ اور وہ جو اپنے دل میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی "پانچہزاروالی الٰہی فوج" میں شامل ہونے کی تڑپ رکھتے ہیں۔ انہیں اس موقعہ کو رائیگاں نہیں جانے دینا چاہیئے۔ بلکہ اس سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔

(خاکسار برکت علی خان فنانشل سکرٹری تحریک جدید)

دارالامان کا ہفتہ

(۱) ۲۴ جنوری کو سیدنا امیر المؤمنین حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ ساڑھے چار بجے شام کے بذریعہ موٹر معہ حرم اول و صاحبزادی امۃ القیوم بیگم صاحبہ و منصورہ بیگم صاحبہ و امۃ العزیز بیگم صاحبہ عازم سندھ ہوئے۔ حضور کے ہمرکاب مولوی محمد اسمٰعیل صاحب فاضل۔ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے پرائیویٹ سکرٹری و ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب ہیں۔ مقامی امیر حضرت مولوی شیر علی صاحب کو مقرر فرمایا۔ ۲۵ جنوری کو لاہور سے ۸ بجے شام کی گاڑی سے کراچی روانہ ہو گئے۔ ۲۶ جنوری کو کراچی سے بخیریت پہنچنے کا تار موصول ہو گیا۔ الحمد للہ۔

(۲) حضرت ام المؤمنین مدظلہا العالی کی طبیعت سخت ناساز ہے۔ احباب دعائے صحت کریں۔

(۳) ۲۵ جنوری کو بروز جمعرات چھٹا یوم عمل قادیان میں منایا گیا۔ جس میں تمام اکابر و اصاغر و انصار و مہاجر طلباء و ماسٹر شامل ہوئے۔ اور دو بجے وقت ظہر تک دس فٹ چوڑی پانچ سو فٹ لمبی ڈیڑھ فٹ اونچی سڑک سات ہزار مکعب فٹ مٹی ڈال کر تیار کر دی جزاہم اللہ احسن الجزاء۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فاروق

Digitized by Khilafat Library Rabwah

جلد ۲۵ | قادیان دارالامان مورخہ ۱۸ ذوالحجہ ۱۳۵۸ھ مطابق ۲۸ جنوری ۱۹۴۰ء | نمبر ۴

خطبہ جمعہ مورخہ ۱۲ جنوری ۱۹۴۰ء

آج سے پچاس سال پہلے کی ایک تاریخی رات جو دنیا میں اہم انقلاب پیدا کرنے کا موجب ہوئی

فرمودہ حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایداللہ تعالیٰ

سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔ میں آج

ایک اہم امر

کے متعلق خطبہ پڑھنا چاہتا ہوں۔ اور میں اس بات کی ضرورت سمجھتا تھا۔ کہ اس مضمون کو زیادہ بسط کے ساتھ بیان کیا جائے۔ لیکن جلسہ کے بعد جو انفلوائنزا کا حملہ مجھ پر ہوا۔ پیچھے اس میں بہت حد تک کمی آجانے کے بعد پرسوں سے پھر دوبارہ میرے سینہ پر نزلہ گرنا شروع ہو گیا ہے۔ اور اسکی وجہ سے میں زیادہ نہیں بول سکتا۔ اور نہ ہی اونچا بول سکتا ہوں۔ مگر

مضمون کی اہمیت

اور اس کا موقعہ یہ چاہتا ہے۔ کہ میں اسے پیچھے نہ ڈالوں۔ اور جلد سے جلد اس کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار جماعت کے سامنے کر دوں۔ اسلئے باوجود طبیعت کی خرابی کے میں نے یہی مناسب سمجھا۔ کہ میں آج خطبہ میں اسی مضمون کو بیان کروں۔

ہماری جماعت نے اس جلسہ کو جو ابھی گزرا ہے۔ ایک

خوشی اور شکریہ کا جلسہ

قرار دیا ہے۔ کیا بلحاظ اس کے کہ باوجود دنیا بھر کی مخالفتوں کے وہ نبوت کا پیغام جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا میں لائے تھے۔ اور جس کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔ کہ میری بڑی مشکلات میں سے ایک نبوت کا مسئلہ بھی رہا ہے۔ کیونکہ لوگ اس مسئلہ کے سمجھنے کی قابلیت کم رکھتے تھے۔ اور غلط خیالات اور غلط عقائد نے لوگوں کے دماغوں پر ایسا قبضہ جما لیا تھا۔ کہ وہ اس عقیدہ میں کسی اصلاح کے لئے تیار نہ تھے۔ باوجود دنیا کی مخالفت کے پچاس سالہ عرصہ میں برابر دنیا میں پھیلتا چلا گیا ہے۔ اور جس عقیدہ کے متعلق لوگ یہ خیال کرتے تھے۔ کہ وہ کسی صورت میں تسلیم کئے جانے کے قابل نہیں۔ وہ

دنیا کے ہر گوشہ میں

تسلیم کیا جانے لگا ہے۔ اور آج اللہ تعالےٰ کے فضل سے دنیا کے تمام براعظموں میں اس عقیدہ کے ماننے والے لوگ موجود ہیں۔ اور دوسرے اس وجہ سے اس جلسہ کو ایک خوشی کا جلسہ قرار دیا گیا۔ کہ وہ خلافت جو تابع نبوت ہوتی ہے۔ اس کے متعلق بھی لوگوں میں ایسے ہی خیالات موجود تھے۔ اور لوگ سمجھتے تھے کہ

خلافت کا خیال

دنیا میں قائم نہیں رہ سکتا۔ اور اس آزادی اور نام نہاد ڈیماکرسی کی موجودگی میں خلافت دنیا میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔

یہ خیال زیادہ تر دوسری خلافت کے شروع میں پیش کیا گیا۔ اور اس پر بہت کچھ زور دیا گیا۔ مگر باوجود اس کے گذشتہ پچیس سال میں اللہ تعالےٰ نے

خلافت کی عظمت

قائم کی۔ اور اس کے دامن سے جو لوگ وابستہ تھے۔ انہیں ہر میدان میں فتح دی۔ اور ان کا قدم ترقی کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ پچیس سال میں جماعت کہیں کی کہیں پہنچ گئی۔

ہماری جماعت کی ترقی اور اسکی رفتار کی تیزی اس امر سے ہی سمجھی جا سکتی ہے۔ کہ آج ہم ایک معمولی جمعہ کے لئے یہاں جمع ہوئے ہیں۔ جس میں کوئی

خاص خصوصیت

نہیں۔ صرف قادیان اور چند ارد گرد کے دیہات کے لوگ شامل ہیں۔ مگر باوجود اس کے اس مسجد میں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کی مسجد سے چار گنے سے بھی زیادہ ہو چکی ہے۔ تمام لوگ بھرے ہوئے ہیں۔ اور ابھی مستورات کے لئے علیحدہ انتظام ہے۔ وہ حصہ اس سے قریباً تہائی ہوگا۔ اور وہ بھی تمام کا تمام بھرا ہوا ہوتا ہے۔ حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی

زندگی کے آخری سال

جو جلسہ سالانہ ہوا۔ اس میں جو احمدی شامل ہوئے۔ وہ

اس مسجد کے چوتھے حصہ میں

سما گئے تھے۔ ہمارے دادا کی جو قبر ہے۔ یہ انتہائی اور آخری حد تھی۔ اور میرے بائیں طرف دو تین گز چھوڑ کر جو ستون ہے۔ وہ اسکی ابتدائی حد تھی۔ میرے دائیں طرف مسجد کا کل حصہ اسی طرح بائیں طرف کا برآمدہ اور قبر سے لے کر مشرق کی طرف کا سب حصہ یہ سب زائد ہیں۔ اس نسبت سے جہاں تک میں سمجھتا ہوں۔ یہ حلقہ اس وقت کے اجتماع سے چار گنے سے بھی زیادہ ہوگا۔ یہ اس وقت کے جلسہ کے لوگوں کی کل تعداد تھی۔ اور اس تعداد کو اتنا اہم سمجھا گیا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس جلسہ میں متواتر فرمایا۔ کہ ہم سمجھتے ہیں۔

ہمارا کام دنیا میں ختم ہو چکا ہے

مگر آج ہمارے ایک معمولی جمعہ میں اس سے چار گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ آدمی موجود ہیں۔

تو یہ دونوں باتیں چونکہ ہماری جماعت کے لئے خوشی کا موجب تھیں۔ اس لئے انہوں نے اس سالانہ جلسہ کو

دو خوشیوں کا موجب

قرار دیا۔ ایک خوشی تو یہ کہ پیغام نبوت پچاس سالہ کامیابی کے ساتھ باوجود دشمنوں کی مخالفت کے ایسی شان و شوکت پیدا کر چکا ہے۔ کہ دنیا اسکی اہمیت تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔ دوسری خوشی یہ کہ پیغام خلافت پچیس سالہ مخالفت بلکہ شروع خلافت کے وقت کے جماعت کے عمائدین کی مخالفت کے باوجود ترقی کرتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ آج خدا تعالےٰ کے فضل سے وہ دنیا کے تمام حصوں کو منظم کرنے میں کامیاب ہو رہا ہے۔

دنیا میں جب کسی شخص کو کوئی خوشی پہنچتی ہے۔ یا جب کوئی شخص ایسی بات دیکھتا ہے۔ جو اس کے لئے راحت کا موجب ہوتی ہے۔ تو اگر وہ اللہ تعالےٰ پر یقین رکھتا ہے۔ تو وہ ایسے موقعہ پر یہی کہتا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کا بڑا شکر ہے۔ کہ ہم کو یہ بات حاصل ہوئی۔ اور جب کسی مسلمان کو ایسی خوشی پہنچتی ہے۔ تو وہ اس مفہوم کو عربی زبان میں ادا کرتا اور کہتا ہے الحمد للہ۔ تو اس جلسہ پر ہماری جماعت نے جو خوشی منائی۔ اس کا اگر خلاصہ بیان کیا جائے۔ تو وہ یہی بنے گا۔ کہ پیغام نبوت اور پیغام خلافت کی کامیابی پر

ہماری جماعت نے اس سال الحمد للہ کہا

مگر باقی دنیا اور اسلام کی تعلیم میں ایک فرق ہے۔ باقی دنیا الحمد للہ کو اپنی آخری آواز سمجھتی ہے۔ مگر اسلام الحمد للہ کو نہ صرف آخری آواز قرار دیتا ہے۔ بلکہ اسکو ایک نئی آواز بھی قرار دیتا ہے۔ اسلامی تعلیم کے مطابق الحمد للہ

کائنات کے آدم اول

کی بھی آواز تھی۔ جیسا کہ وہ کائنات کے آدم آخر کی آواز ہے۔ اور اس طرح اسلام الحمد للہ کے ساتھ اگر ایک سلسلہ اور ایک کڑی کو ختم کرتا ہے۔ تو ساتھ ہی دوسرے سلسلہ اور دوسری کڑی کو شروع کر دیتا ہے۔ چنانچہ سورہ فاتحہ میں ہم کو یہی بتایا گیا ہے۔ وہ الحمد للہ سے شروع ہوتی ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں۔ کہ کامیابی اور خوشی دیکھ کر ایک مسلم کہتا ہے۔ الحمد للہ۔ مگر الحمد للہ سورہ فاتحہ کی آخری آیت نہیں۔ بلکہ سورہ فاتحہ کی پہلی آیت ہے۔

اور جب ہم اسے پڑھتے چلے جاتے ہیں۔ تو اس کے درمیان ہمیں یہ نظر آتا ہے۔ کہ

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ

یعنی اے ہمارے رب الحمد کے نتیجہ میں ایک اور پروگرام ہمارے سامنے آگیا ہے۔ اور ایک نئے کام کی بنیاد ہم نے ڈال دی ہے۔ ہم تجھ سے وعدہ کرتے ہیں۔ کہ ہم پورے طور پر اس کام کو چلانے کی کوشش کریں گے۔ اور ہم تجھ سے چاہتے ہیں۔ کہ تو اس راہ میں ضروری سامان ہمیں مہیا کر۔ اور ہماری نصرت اور تائید فرما۔ پس الحمد للہ کو پہلے رکھ کر اور ایاک نعبد وایاک نستعین کو بعد میں رکھ کر اسلام نے یہ بتایا ہے۔ کہ کوئی حمد اس وقت تک حقیقی حمد نہیں کہلا سکتی۔ جب تک اس کے ساتھ ایک

نئے کام کی بنیاد

نہ ڈالی جائے۔ ہر حمد جو حمد پر ختم ہو جاتی ہے وہ درحقیقت حمد نہیں۔ بلکہ ناشکری ہے۔ لفظ چاہے حمد کے ہوں۔ مگر حقیقت اس میں ناشکری کی پائی جاتی ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں اسکی ایک مثال پائی جاتی ہے۔ آپ رات کو اللہ تعالےٰ کی عبادت کیا کرتے۔ اور بعض دفعہ اتنی لمبی دیر نماز میں کھڑے رہتے۔ کہ آپ کے پاؤں سوج جاتے۔ جب آپ بوڑھے اور کمزور ہوگئے۔ اور آپ میں اتنی طاقت نہ رہی۔ کہ آپ اس مجاہدہ کو آسانی سے برداشت کر سکیں۔ تو ایک دفعہ آپ کی ایک بیوی نے کہا۔ کہ آپ اتنی تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں۔ کیا آپ کی نسبت خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا۔ کہ میں نے تیرے اگلے پچھلے ذنوب معاف فرما دیئے ہیں۔ اور کیا آپ کے ساتھ اسکی بخشش کے وعدے نہیں۔ جب ہیں۔ تو آپ اس قدر تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا۔ کہ اے عائشہ رضؓ (حضرت عائشہ کی طرف سے ہی یہ سوال تھا) الا اکون عبداً شکوراً کیا میں

خدا تعالےٰ کا شکرگزار بندہ

نہ بنوں۔ جب خدا نے مجھ پر اتنا بڑا احسان کیا ہے۔ اور اس کا یہ احسان تقاضا کرتا ہے۔ کہ میں آگے سے بھی زیادہ اسکی عبادت کروں۔ اور آگے سے بھی زیادہ خدا تعالےٰ کے دین کی خدمت میں لگ جاؤں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں یہی بتایا ہے۔ کہ انعام کے نتیجہ میں

الحمد مومن کا آخری قول نہیں

ہونا۔ بلکہ وہ آخری قول بھی ہوتا ہے۔ اور نئے کام کی بنیاد بھی ہوتا ہے۔ بہت لوگ جو اس حقیقت سے ناواقف ہوتے ہیں۔ ان پر جب کوئی احسان ہوتا ہے۔ تو وہ سمجھ لیتے ہیں۔ کہ انہوں نے بڑا کام کر لیا۔ اور یہ کہ اب ان کا کام ختم ہوگیا۔ مگر اسلام ایسا نہیں کہتا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسا نہیں کہتے۔ بلکہ اسلام اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کہتے ہیں۔ کہ جب اللہ تعالےٰ کا کوئی احسان ہوتا ہے۔ تو اس کے بعد بندوں پر نئی ذمہ واریاں رکھی جاتی ہیں۔ اگر وہ ان ذمہ واریوں کو ادا کرنے کے لئے تیار رہیں۔ تب وہ مستحق ہوتے ہیں الحمد للہ کہنے کے۔ اور تبھی ان کی الحمد سچی الحمد کہلا سکتی ہے۔ لیکن اگر ہم کام ختم کر دیتے ہیں۔ یا اسکی قدر نہیں کرتے۔ تو اس کے معنے یہ ہوتے ہیں۔ کہ ہماری حمد جھوٹی تھی۔ کیونکہ ہم فرض کر لیتے ہیں۔ کہ وہ کام جس پر ہم نے الحمد للہ کہا۔ ایسا اچھا نہ تھا۔ اگر اچھا ہوتا۔ تو اسے جاری رکھتے۔ بلکہ اسے

بڑھانے اور ترقی دینے کی کوشش

کرتے۔ پس یہ جو خوشی کا جلسہ ہوا۔ اس نے درحقیقت ہماری ذمہ واریوں کو بہت بڑھا دیا ہے۔ ممکن ہے۔ اگر یہ جلسہ نہ ہوتا۔ تو لوگ کہہ دیتے۔ کہ ہم نہیں سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ہم پر اتنا بڑا احسان ہے۔ مگر اب کوئی نہیں کہہ سکتا۔ کہ مجھے معلوم نہیں۔ اللہ تعالےٰ کا ہم پر کتنا بڑا احسان ہے۔ اب ہر شخص نے اس امر کا اقرار کر لیا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے اس پر بہت بڑا احسان کیا۔ اور جب خدا نے احسان کیا ہے۔ تو اسکو اب بڑھانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ یا ختم کرنے کی۔ پس میرے نزدیک اس جلسہ نے ہماری جماعت پر

ایک بہت بڑی ذمہ واری عائد کر دی

ہے۔ یوں تو ہر روز خدا تعالےٰ کی جماعت کو خوشیاں پہنچتی ہی رہتی ہیں۔ مگر ہر روز جشن نہیں منائے جاتے۔ ایک خاص جلسے کے منانے کے معنے ہی یہ ہیں۔ کہ وہ ایک منزل پر پہنچ گئے ہیں۔ اور انہوں نے اپنے کام میں ایک درجہ کو حاصل کر لیا ہے۔ پس اس کے بعد

ایک نئی ولادت کی ضرورت

ہے۔ گویا پہلا سلسلہ ختم ہوا۔ اور اب ایک نیا سلسلہ شروع ہوگا۔ جیسے ایک دانہ بویا جاتا ہے۔ تو اس سے مثلاً ستر یا سو دانے نکل آتے ہیں۔ اب ستر اور سو دانوں کا نکل آنا اپنی ذات میں ایک بڑی کامیابی ہے مگر وہ پہلے بیج کا ایک تسلسل ہوتا ہے۔ اور زمیندار اسے کوئی نیا کام نہیں سمجھتا۔ بلکہ وہ سمجھتا ہے۔ میرے پہلے کام کا ہی سلسلہ جاری ہے۔ لیکن جب زمیندار ان نئے دانوں کو پھر زمین میں ڈال دیتا ہے۔ تو اسے یہ احساس ہوتا ہے۔ کہ اب میرے کام کا نیا دور شروع ہوا۔ کام تو وہی ہے۔ مگر اب وہ کام کے دور میں فرق کرنے لگ جاتا ہے۔ اور سمجھتا ہے۔ کہ میرا پہلا کام ختم ہوا۔ اور اب ایک نیا کام شروع ہے۔

اسی طرح جب ہماری جماعت نے اس جلسہ کو خوشی کا جلسہ قرار دیا۔ تو بالفاظ دیگر انہوں نے یہ اعلان کیا۔ کہ ہمارا

پہلا بیج

جو بویا ہوا تھا۔ اسکی فصل پک گئی۔ اب ہم نیا بیج بو رہے ہیں۔ اور نئی فصل تیار کرنے میں مصروف ہو رہے ہیں۔

یہ اقرار بظاہر معمولی نظر آتا ہے۔ لیکن اگر جماعت کی حالت کو دیکھا جائے۔ تو اس اقرار کی اہمیت بہت بڑھ جاتی اور اس پر ایسی ذمہ واری عاید ہو جاتی ہے۔ کہ اگر اس کے افراد

رات دن کوشش

نہ کریں۔ تو اس ذمہ داری سے کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ اس

پچاس سالہ دَور

کے متعلق ہم نے جو خوشی منائی۔ ہمیں غور کرنا چاہیئے۔ کہ اس دَور کی پہلی فصل کس طرح شروع ہوئی تھی۔ جب ہم اس نقطۂ نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ تو ہمیں نظر آتا ہے۔ کہ اس پہلی فصل کا بیج صرف ایک انسان تھا۔ رات کو دنیا سوئی۔ ساری دنیا اس بات سے ناواقف تھی۔ کہ خدا اس کے لئے کل کیا کرنے والا ہے۔ کوئی نہیں جانتا تھا۔ کہ اللہ تعالےٰ کی مشیت کل کیا ظاہر کرنے والی ہے۔ یہ آج سے پچاس سال پہلے کی بات ہے۔ ایک فرد بھی دنیا کا نہیں تھا۔ جس کو معلوم ہو۔ کہ اللہ تعالےٰ دنیا میں ایک انقلاب پیدا کرنا چاہتا ہے۔ یکدم بغیر اس کے کہ پہلے کوئی اشتباہ ہو۔ بغیر اس کے کہ پہلے کوئی انذار ہو۔ بغیر اس کے کہ پہلے کوئی اعلان ہو۔ ایک شخص جس کو خود بھی یہ معلوم نہ تھا۔ کہ کیا ہونے والا ہے۔ خدا نے اس کو جگایا اور کہا۔ کہ ہم دنیا میں ایک

نئی زمین اور نیا آسمان

بنانا چاہتے ہیں۔ اور تم کو اس زمین اور آسمان کے بنانے کے لئے معمار مقرر کرتے ہیں۔ اس کے لئے یہ کتنی حیرت کی بات ہوگی۔ اس وسیع دنیا میں بڑی بڑی حکومتیں قائم تھیں۔ بڑے بڑے نظام قائم تھے۔ پھر اس وسیع دنیا میں باوجود مسلمانوں کے سابقہ شوکت کھو چکنے کے آج سے پچاس سال پہلے ان کی حکومتیں موجود تھیں۔ ٹرکی ابھی ایک بڑی طاقت سمجھی جاتی تھی۔ مصر ابھی آزاد تھا۔ ایران اور افغانستان آزاد تھے۔ اور یہ اسلامی حکومتیں

اسلام کی ترقی اور اسکی تہذیب کا گہوارہ

کہلاتی تھیں۔ مگر یہاں وہ آواز پیدا نہیں ہوئی۔ خدا نے ترکوں کے بادشاہ سے یہ بات نہیں کہی۔ خدا نے ایران کے بادشاہ سے یہ بات نہیں کہی۔ خدا نے افغانستان کے بادشاہ سے یہ بات نہیں کہی۔ خدا نے ترکی اور مصر وغیرہ کے جو شیخ الاسلام کہلاتے یا علماء کے رئیس کہلاتے تھے۔ ان سے یہ نہیں کہا۔ بلکہ ہندوستان کے ایک شخص سے خدا نے یہ بات کہی۔ اور ہندوستان میں سے بھی اللہ تعالےٰ نے کلکتہ یا بمبئی کے کسی بڑے رئیس یا عالم سے یہ بات نہیں کہی۔ لاہور یا امرتسر کے کسی بڑے رئیس یا عالم سے یہ بات نہیں کہی۔ کسی ظاہری مرکز یا

علمی اور سیاسی مرکز

میں رہنے والے سے یہ بات نہیں کہی۔ بلکہ خدا نے ریل سے دُور۔ تمدن سے دُور۔ تعلیمی مرکزوں سے دُور قادیان میں۔ ایک ایسی بستی میں جو

کوردیہہ کہلانے کی مستحق

تھی۔ اور جس کے رہنے والے بالکل جاہل اور تہذیب وتمدّن سے کوسوں دُور تھے۔ ایک ایسے شخص سے جو نہ عالم سمجھا جاتا تھا۔ نہ فاضل سمجھا جاتا تھا۔ نہ مالدار تھا۔ اس کے گھر میں اور اس کے کان میں یہ بات کہی۔ ہم کسی صورت میں بھی اندازہ نہیں کر سکتے۔ اس کیفیت کا جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل میں اس وقت پیدا ہوئی ہوگی۔ جس لڑائی کی آپ کو خبر دی گئی تھی۔ وہ یقیناً اس جنگ سے بہت اہم تھی۔ اور ہے۔ جو آج کل جرمنی اور برطانیہ و فرانس میں جاری ہے۔ تم میں سے آج اگر کسی بچہ کو خواب میں یہ کہا جائے۔ کہ تمہارا فرض ہے۔ کہ جاؤ اور جرمنی کو فتح کرو۔ تو وہ نہایت حیران ہو کر

Digitized by Khilafat Library Rabwah

Digitized by Khilafat Library Rabwah

صبح اپنے دوستوں اور ملنے والوں سے کہے گا۔ کہ آج میں نے

ایک عجیب خواب

دیکھا ہے۔ اور جب وہ بیان کرے گا۔ تو لوگ ہنستے ہوئے کہیں گے۔ کہ معلوم ہوتا ہے۔ رات تم زیادہ کھا گئے ہو گے۔ جس کی وجہ سے تمہیں بدہضمی ہو گئی۔ اور ایسا خواب آ گیا۔ وہ خواب کی طرف کبھی توجہ نہیں کرے گا۔ ہاں کبھی کبھی ہنس کر اپنے دوستوں سے کہہ دے گا۔ کہ میں نے ایک دفعہ

ایک عجیب بے ہودہ سا خواب

دیکھا تھا۔ مگر اسی قسم کی کیفیت میں قادیان میں ایک شخص کو الہام ہوتا ہے۔ اور اسے جس جنگ کی خبر دی جاتی ہے۔ وہ اس جنگ سے بہت زیادہ اہم ہے۔

پس اس کے قلب کی جو کیفیت ہوئی ہو گی۔ اس کا اندازہ ہم نہیں کر سکتے۔ اگر تو وہ اس الہام کو اس رنگ میں لے لیتا۔ جیسے میں نے بچہ کی مثال دی ہے۔ اور وہ سمجھتا۔ کہ مجھے بدہضمی ہو گئی ہے۔ یا میں نے زیادہ کھا لیا تھا۔ جس کے نتیجہ میں اس قسم کا خواب آیا۔ یا بخار کی کیفیت تھی۔ یا نزلہ وغیرہ کا باعث تھا۔ تب بھی سمجھ آ سکتا ہے۔ کہ اس نے اس

عظیم الشان خبر

کو سن کر اسے برداشت کر لیا ہو گا۔ تبھی تو اس نے توجیہ کر لی۔ کہ یہ محض وہم ہے۔ دماغی خیال یا کسی بیماری کا نتیجہ ہے۔ مگر اس نے یہ نہیں سمجھا۔ کہ یہ الہام کسی دماغی خرابی کا نتیجہ ہے۔ اس نے یہ نہیں سمجھا۔ کہ یہ کسی بیماری کا نتیجہ ہے۔ اس نے یہ نہیں سمجھا۔ کہ یہ کسی بدہضمی کا نتیجہ ہے۔ اس نے اسے خدا ہی کی آواز قرار دیا۔ جیسا کہ وہ فی الحقیقت خدا کی طرف سے تھی۔ اور اس نے یہ نہیں کہا۔ کہ یہ اتفاقی آواز ہے۔ جو میرے کان میں پڑ گئی ہے۔ بلکہ وہ فوراً اس آواز کا جواب دینے کے لئے تیار ہو گیا۔ اور اس نے کہا۔ اے میرے رب میں تیری طرف سے لڑائی کے لئے حاضر ہوں۔ اگر وہ اس آواز کے جواب میں اپنے نفس کو یہ کہہ کر تسلی دے لیتا۔ کہ یہ میرا وہم ہے۔ یا کسی اندرونی نقص اور بیماری کا نتیجہ ہے۔ تو بے شک اس کے دل کو صبر آ سکتا تھا۔ اور ہم کہہ سکتے تھے۔ کہ اس کی طبیعت میں اضطراب تو پیدا ہوا ہو گا۔ مگر حد درجہ کا نہیں۔ مگر اس نے جس رنگ میں اس کلام کو لیا۔ اور اس کی اہمیت کو سمجھا۔ وہ بتلاتا ہے۔ کہ اس نے اسے کھیل نہیں سمجھا۔ اس نے اسے بیماری نہیں سمجھا۔ اس نے اسے بدہضمی نہیں سمجھا۔ اس نے اسے دماغی خرابی نہیں سمجھا۔ بلکہ اس نے

نہایت یقین اور وثوق

کے ساتھ یہ سمجھا۔ کہ خدا نے واقعہ میں یہ کام میرے سپرد کیا ہے۔ پس وہ تاریک گھڑیاں اور اس کی بقیہ رات اس پر کیسی گزری ہو گی۔ اس کا اندازہ ہم نہیں لگا سکتے۔ ابھی تمہیں وہ مقام حاصل نہیں۔ کہ تم بڑے لوگوں کی مجلسوں میں جا سکو۔ تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں۔ جسے یہ موقعہ مل سکتا ہو۔ کہ وہ فرانس کے کمانڈر انچیف کے پاس رات گزارے۔ تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں۔ جسے یہ موقعہ مل سکتا ہو۔ کہ وہ انگلستان کے کمانڈر انچیف کے پاس رات گزارے۔ تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں۔ جسے یہ موقعہ مل سکتا ہو۔ کہ وہ جرمن کے کمانڈر انچیف کے پاس رات گزارے۔ مگر باوجود اس کے کہ وہ بہت چھوٹی سی جنگ کے لئے کھڑے ہوئے ہیں۔ باوجود اس کے کہ ان کے پاس سامان موجود ہیں۔ باوجود اس کے کہ ان کے پاس فوجیں موجود ہیں۔ باوجود اس کے کہ ان کا تمام ملک ان کی مدد کے لئے کھڑا ہے۔ پھر بھی

ان کی راتیں اور دن

جس کرب سے گزرتے ہیں۔ اور جس بھاگ دوڑ سے وہ کام لے رہے ہیں۔ اس کا اندازہ وہی لوگ لگا سکتے ہیں۔ جن کو کبھی تھوڑی دیر کے لئے ان کے پاس جانے اور رہنے کا موقعہ ملا ہو۔ مگر یہ شخص جس پہ رات آئی۔ اس کے پاس وہ سامان نہ تھے۔ جو آج انگلستان کے کمانڈر انچیف کو حاصل ہیں۔ اس کے پاس وہ سامان نہ تھے۔ جو آج فرانس کے کمانڈر انچیف کو حاصل ہیں۔ اس کے پاس وہ سامان نہ تھے۔ جو آج جرمن کے کمانڈر انچیف کو حاصل ہیں۔ پھر ان لوگوں کے پاس صرف سامان ہی نہیں۔ بلکہ

ملک کی متحدہ طاقت

ان کے ساتھ ہے۔ انگلستان کا کمانڈر انچیف جانتا ہے۔ کہ اگر میرے پاس گولہ بارود ختم ہو گیا۔ تو بھی پروا نہیں۔ انگلستان کی تمام طاقت میرے ساتھ ہے۔ اور اس کا بچہ بچہ میرے حکم پر کٹ مرنے کے لئے تیار ہے۔ فرانس کا کمانڈر انچیف صرف ان سامانوں کو نہیں دیکھتا جو اس کے پاس ہیں۔ بلکہ وہ جانتا ہے۔ کہ ملک کی تمام آبادی میرے حکم پر لبیک کہنے کے لئے تیار ہے۔ اور جب میں کہوں گا کہ گولہ بارود لاؤ۔ تو وہ گولہ بارود اکٹھا کر دیں گے۔ جب کہوں گا۔ کہ جانی قربانی کرو۔ تو وہ بھیڑ بکریوں کی طرح اپنے

سر کٹانے کے لئے

آگے آ جائیں گے۔ اور اگر اور سامانوں کا مطالبہ کروں گا۔ تو وہ حاضر کر دیں گے۔ پھر ان کے سامنے اپنی کامیابیوں کی ایک تاریخ موجود ہے۔ لمبی اور مسلسل تاریخ۔ فرانس کے کمانڈر انچیف کے سامنے فرانس کی کامیابیوں کی ایک لمبی تاریخ ہے۔ اور انگلستان کے کمانڈر انچیف کے سامنے انگلستان کی کامیابیوں کی ایک لمبی تاریخ ہے۔ وہ جانتے ہیں۔ کہ وہ کس طرح بری اور بحری جنگوں میں کودے۔ اور ہر میدان میں وہ فاتح اور کامیاب رہے۔ یہ ساری چیزیں ان کے سامنے موجود ہیں۔ مگر باوجود اس کے وہ گھبراتے ہیں۔ کیونکہ وہ نہیں جانتے۔ کہ اس جنگ کا کیا نتیجہ ہو گا۔ حالانکہ یہ جنگ صرف تلوار کی جنگ ہے۔

دلوں کو فتح کرنے کی جنگ

نہیں۔ جو تلوار کے جنگ سے بہت زیادہ اہم اور بہت زیادہ کٹھن ہوتی ہے۔ اس سے تم اندازہ لگا سکتے ہو۔ کہ وہ آواز جو اس کے کان میں پڑی۔ اس نے اس کے

دل میں کیا تغیر

پیدا کیا ہو گا۔ مگر اس نے اس آواز کو ہنسی میں نہیں ڈالا۔ اس نے اسے پاگلانہ خیال نہیں سمجھا۔ اس نے اسے بیماری کا نتیجہ قرار نہیں دیا۔ بلکہ اس نے اسے خدا ہی کی آواز قرار دیا۔ اور کہا۔

اے خدا میں حاضر ہوں

اس جواب کے بعد اس نے اپنی باقی رات کس طرح گزاری ہو گی۔ اس کا اندازہ دنیا کا کوئی شخص نہیں لگا سکتا۔ ایک بلبلہ جس طرح سمندر کی سطح پر نمودار ہوتا ہے۔ بلکہ اسی طرح وہ دنیا کے سامنے ظاہر ہوا۔ بلکہ بلبلہ اور سمندر کی جو کیفیت ہوتی ہے۔ وہ بھی اس کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔ ایک چھوٹا سا بیج تھا۔ جو بہت بڑے جنگل میں ڈال دیا گیا۔ جہاں خشکی ہی خشکی تھی۔ اور پانی کا ایک قطرہ نہ تھا۔ جہاں ریت ہی ریت تھی۔ اور مٹی کا ایک ذرہ نہ تھا۔ بلکہ وہ بیج جو بیابان میں ڈال دیا جائے۔ ایسے ریگستان میں ڈال دیا جائے جہاں پانی نہیں۔ اور جہاں مٹی کا ایک ذرہ نہیں۔ اس کے لئے بھی بڑھنے کا کچھ نہ کچھ موقع ہو سکتا ہے۔ اس بلبلے کو بھی کچھ دیر زندہ رہنے کا موقعہ مل جاتا ہے۔ جسے

سمندر کی ہوائیں

ادھر ادھر لے جاتی ہیں۔ مگر اس کے لئے تو اتنی بھی امید نہ تھی۔ جتنی بلبلے کے متعلق سمندر کی لہروں میں امید کی جاتی ہے۔ اور اس کے لئے اتنی بھی امید نہ تھی۔ جتنی اس بیج کے متعلق امید کی جا سکتی ہے۔ جو

ایک وسیع ریگستان میں

ڈال دیا جائے۔ پھر کوئی شخص نہ تھا۔ جس سے وہ مشورہ کر سکتا۔ اور وہ مشورہ کرتا۔ تو کس سے کرتا۔ یہ انسانی آواز نہ تھی۔ کہ اس کے متعلق کسی انسان سے مشورہ لیا جاتا۔ اگر انسانی آواز ہوتی۔ تو کسی دوسرے سے مشورہ لیا جا سکتا تھا۔ اور کہا جا سکتا تھا۔ کہ ایک انسان نے مجھے یہ بات کہی ہے۔ تمہارے بھی جذبات چونکہ ایسے ہی ہیں۔ جیسے اس کے۔ اس لئے مجھے مشورہ دو۔ کہ میں کیا کروں۔ اور کس طرح دنیا کا مقابلہ کروں۔ مگر یہ آواز خدا کی آواز تھی۔ اس لئے وہ کسی بندے سے مشورہ نہیں کر سکتا تھا۔ اور نہ کوئی بندہ ایسا تھا۔ جو اسے مشورہ دے سکتا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی جب پہلی دفعہ یہ آواز آئی۔ تو اس وقت آپ کی جو قلبی کیفیت ہوئی۔ اس کا پتہ حدیثوں سے لگتا ہے۔ احادیث میں آتا ہے۔ کہ اس آواز کے بعد آپ گھر تشریف لائے۔ آپ بہت گھبرائے ہوئے تھے۔ جسم کانپ رہا تھا۔ کندھوں کا گوشت شدت ہیبت سے ہل رہا تھا۔ اور رنگ اڑا ہوا تھا۔ آپ کی وفادار بیوی حضرت خدیجہ رض نے جب آپ کو اس حال میں دیکھا۔ تو انہوں نے گھبرا کر کہا۔ کہ میں آپ کو کس حال میں دیکھتی ہوں۔ آپ کو یہ کیا ہو گیا ہے؟ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ خدیجہ مجھے نہیں معلوم کہ مجھے کیا ہو گیا۔ مجھے یہ آواز آئی ہے۔ کہ اقرا باسم ربک الذی خلق خلق الانسان من علق۔ آسمان کے خدا نے مجھے بلایا ہے۔ تا کہ میں اس کے نام کو لوں۔ اور اسے دنیا میں پھیلاؤں۔ میں حیران ہوں۔ کہ میں اس کام کو کس طرح کروں گا۔ خدا کی آواز چونکہ اپنے ساتھ

یقین کے انوار

رکھتی ہے۔ اس لئے رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی یہ نہیں فرمایا۔ کہ مجھے بیماری ہو گئی ہے۔ آپ نے بھی یہ نہیں فرمایا کہ یہ کوئی دماغی عارضہ ہے۔ یا بدہضمی کا نتیجہ ہے۔ بلکہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

آپ نے فرمایا۔ کہ یہ ہے تو

آسمان کی آواز

مگر جو کام میرے سپرد کیا گیا ہے۔ میں حیران ہوں۔ کہ اسے کس طرح کروں گا۔ حضرت خدیجہ رضؓ آخر آپؐ کی صحبت میں ہی رہنے والی تھیں۔ انہوں نے جب یہ بات سُنی۔ تو انہوں نے اس کا بہت ہی لطیف جواب دیا۔ وہ ہے تو عورتوں والا جواب۔ مگر بہت ہی ایمان افزا ہے۔ عورتیں عموماً سامانوں کو نہیں دیکھتیں۔ بلکہ ان کا ایمان

ایمان العجائز

ہوتا ہے۔ وہ یہ نہیں دیکھتیں۔ کہ سامان بھی میسّر ہیں یا نہیں۔ بلکہ وہ کہتی ہیں۔ کہ کام ہو جائے گا۔ کس طرح ہوگا؟ اس کا انہیں کوئی علم نہیں ہوتا۔ خدیجہ رضؓ کا جواب بھی ویسا ہی جواب ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ کلّا واللہ لا یخزیک اللہ ابدًا۔ آپؐ کیوں گھبراتے ہیں۔ مجھے خدا کی قسم ہے۔ کہ خدا آپؐ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ جب اس نے آپؐ کے سپرد ایک کام کیا ہے۔ تو وہ خود آپؐ کی مدد کرے گا۔ اور آپؐ کی کامیابی کے لئے سامان مہیا کرے گا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ فقرہ تاریخ میں محفوظ ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے۔ کہ یہ فقرہ ہی نہیں۔ کہ تاریخ میں محفوظ ہے۔ بلکہ ان فقروں میں سے ہے۔ جن کو تاریخ بھی مٹا نہیں سکتی۔ کلّا واللہ لا یخزیک اللہ ابدًا وہی ایمان العجائز ہے۔ وہی یقین اور وہی وثوق ہے۔ بغیر اس کے کہ وہ عواقب کو دیکھتیں۔ بغیر اس کے کہ وہ سامانوں پر نظر دوڑاتیں۔ پس اس واقعہ سے رسول کریم صلے اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی قلبی کیفیت کا کسی قدر اندازہ ہو جاتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بھی الہامات نازل ہوئے۔ کہ

اُٹھو۔ اور دنیا کو میری طرف بلاؤ

اور دنیا میں پھر میرے دین کو قائم کرو۔ ہم اندازہ کر سکتے ہیں۔ کہ یہی کیفیت آپ کی بھی ہوئی ہوگی۔ آپؑ بھی حیران ہوئے ہوں گے۔ کہ کہاں میں۔ اور کہاں یہ کام قادیان جیسی جگہ میں۔ میرے جیسے انسان کو آج خدا یہ کہہ رہا ہے۔ کہ دنیا۔ مہذب دنیا۔ طاقتور دنیا۔ سامانوں والی دنیا۔ مجھ سے دُور پڑی ہوئی ہے۔ اتنی دُور کہ دنیا اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتی۔ جاؤ۔ اور ان

گناہ کے قلعوں کو پاش پاش کر دو۔

جو اسلام کے مقابلہ میں بنائے گئے ہیں۔ اور جاؤ۔ اور ان شیطانی حکومتوں کو مٹا دو۔ جو میری حکومت کے مقابلہ میں قائم کی گئی ہیں۔ اور ان تمام بے دینی کے قلعوں اور شیطانی حکومتوں کی جگہ میری حکومت اور دین کی بادشاہت قائم کرو۔

اگر کوئی شخص دور بین نگاہ رکھتا ہے۔ اگر کوئی شخص حقیقت کو سمجھ سکتا ہے۔ تو میں کہوں گا۔ کہ یہ مطالبہ اس سے بھی زیادہ مشکل تھا۔ جیسے کسی کو چاند دکھایا جائے۔ اور کہا جائے۔ کہ جاؤ اور اس

چاند کو جا کر توڑ ڈالو

وہ تو وہاں جا بھی نہیں سکتا۔ پھر اس سے یہ کس طرح ممکن ہے۔ کہ اس کو توڑ ڈالے۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تو وہاں پہنچ بھی نہ تھی۔ جہاں خدا آپ کو پہنچانا چاہتا تھا۔ بھلا کونسے ذرائع آپ کے پاس ایسے موجود تھے۔ کہ آپ امرتسر کے لوگوں تک ہی اپنی آواز پہنچا سکتے۔ یا لاہور۔ بمبئی اور کلکتہ کے لوگوں تک یہ

الٰہی پیغام

پہنچا سکتے۔ یا کونسے ذرائع آپ کے پاس ایسے موجود تھے۔ کہ آپ عرب کے لوگوں کو بیدار کر سکتے۔ آپ انگلستان اور امریکہ تک اپنی آواز پہنچا سکتے۔ ہزاروں آوازیں دنیا میں گونج رہی تھیں۔ ہزاروں قومیں دنیا میں موجود تھیں۔ بیسیوں حکومتیں دنیا میں پائی جاتی تھیں۔ جن کی نگاہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتنی بھی تو عزت نہ تھی۔ جتنی ڈیلوی حکومت کے سکرٹریٹ کے چپڑاسی کی ہوتی ہے۔ مگر خدا نے کہا۔ اُٹھ اور دنیا کو میرا پیغام پہنچا دے اور اس نے کہا۔

اے میرے رب میں حاضر ہوں

اس نے یہ بھی تو نہیں سوچا۔ کہ یہ کام کیونکر ہوگا۔ اس کا جسم کانپا ہوگا۔ یقیناً۔ اس کے دل پر رعشہ طاری ہوا ہوگا۔ یقیناً۔ وہ حیران ہوا ہوگا۔ یقیناً۔ مگر اس نے یہ نہیں پوچھا۔ کہ یہ کام کیونکر اور کس طرح ہوگا۔ اس کے دل کے تقوے اور

محبت الٰہی

نے اسے سوچنے کا موقعہ ہی نہیں دیا۔ اور اس کے جذبۂ فدائیت نے یہ پوچھنے ہی نہیں دیا۔ کہ اے میرے رب یہ کس طرح ہوگا؟ اس نے پہلے کہا۔ ہاں اے میرے رب میں حاضر ہوں۔ اور پھر اس نے سوچا۔ کہ میرے پاس تو کچھ نہیں۔ یہ کام کس طرح ہوگا۔ یہی وہ

حقیقی اطاعت کا جوش

ہے۔ جو لبّیک پہلے کہلوا دیتا ہے۔ اور فکر پیچھے پیدا ہوتا ہے۔ صحابہ رضؓ کی مجلس کا ہی

ایک واقعہ

ہے۔ جس سے پتہ لگتا ہے۔ کہ جہاں سچی محبت ہوتی ہے۔ وہاں تعمیل پہلے ہوتی ہے۔ اور فکر بعد میں پیدا ہوتا ہے۔

اہل عرب شراب کے سخت عادی تھے۔ ایسے عادی کہ بہت کم لوگ ان کی طرح شراب کے عادی ہوتے ہیں۔ ان کا تمام لٹریچر۔ شعر۔ نثر اور خطبے شراب کے ذکر سے بھرے ہوئے ہوتے تھے۔ مسلمان بھی چونکہ انہی میں سے آئے تھے۔ اس لئے ان میں بھی وہی عادتیں تھیں۔ اللہ تعالےٰ نے اپنی حکمت کے ماتحت شروع میں شراب حرام نہیں کی۔ مکہ کا سارا زمانہ گذر گیا۔ اور شراب حلال رہی۔ مدینہ میں بھی چند سال اسی طرح گذر گئے۔ اور شراب کی حرمت نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ ایک دن اللہ تعالےٰ نے رسول کریم صلے اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم سے فرمایا۔ کہ اب شراب حرام کی جاتی ہے۔ آپؐ مسجد میں آئے۔ اور جو لوگ اس وقت موجود تھے۔ ان سے کہا۔ کہ اب خدا نے شراب حرام کر دی ہے۔ اور ایک شخص سے کہا۔ کہ جاؤ۔ مدینہ کی گلیوں میں

شراب کی حرمت کا اعلان

کر دو۔ اس وقت مدینہ میں ایک خوشی کی مجلس منعقد ہو رہی تھی۔ اور حسب دستور اس مجلس میں شراب کے مٹکے رکھے ہوئے تھے۔ لوگ باتیں کرتے۔ گاتے بجاتے اور شرابیں پیتے جاتے تھے۔ ایک بہت بڑا مٹکا وہ ختم کر چکے تھے۔ اور دو مٹکے شراب کے ابھی باقی تھے۔ تم سمجھ سکتے ہو۔ کہ جہاں شراب کا ایک مٹکا ختم ہو چکا ہو۔ وہاں دماغوں کی کیا کیفیت ہوگی۔ اس وقت وہ لوگ نشہ میں آئے ہوئے تھے۔ اور ان کے ہوش و حواس بہت کچھ زائل ہو چکے تھے کہ بازار میں سے اس شخص کی یہ آواز آئی۔ کہ محمد صلے اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے شراب حرام کر دی ہے۔ انہی

شراب سے مدہوش

لوگوں میں سے ایک شخص گھبرا کر اٹھا۔ اور کہنے لگا۔ میرے کان میں ایک آواز آئی ہے۔ جو یہ کہہ رہی ہے۔ کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے شراب حرام کر دی ہے۔ میں باہر نکل کر دیکھوں تو سہی۔ یہ آواز کیسی ہے۔ میں سمجھتا ہوں۔ اگر اتنے پر ہی بس ہو جاتی۔ تو یہ رسول کریم صلے اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی اس محبت کا جو صحابہ رضؓ کے دلوں میں تھی۔

معجزانہ نمونہ

ہوتا۔ شراب کے نشہ میں بھلا کون دیکھتا ہے۔ کہ کیسی آواز آرہی ہے۔ عام حالات میں تو وہ ہنستے اور کہتے۔ کہ شراب کو کون حرام کر سکتا ہے۔

پس اگر بات یہیں تک رہتی۔ تب بھی یہ رسول کریم صلے اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی محبت کا ایک معجزنما ثبوت ہوتی۔ مگر اسی پر بس نہیں۔ جب اس نے یہ کہا۔ کہ میں دیکھوں تو سہی۔ یہ آواز کیسی آرہی ہے۔ تو ایک اور آدمی جو شراب کے نشہ میں مست بیٹھا ہُوا تھا۔ اور شراب پی پی کر اس کے دماغ میں نشہ غالب آرہا تھا۔ یکدم اس حالت سے بیدار ہُوا اور بولا کیا کہا تم نے؟ ہمارے کان میں آواز پڑتی ہے۔ کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے شراب حرام کر دی۔ اور تم کہتے ہو۔ تحقیق کرو۔ اسکی بات کہاں تک سچ ہے۔ خدا کی قسم میں ایسا نہیں کروں گا۔ میں پہلے شراب کا مٹکا توڑ دوں گا۔ بعد میں پوچھوں گا۔ یہ کہکر اس نے سونٹا پکڑ کر زور سے مٹکوں کو مارا اور انہیں توڑ دیا۔ اور شراب صحن میں پانی کی طرح بہنے لگی۔ اس کے بعد اس نے دروازہ کھول کر اعلان کرنے والے سے پوچھا۔ کہ کیا بات ہے۔ اس نے بتایا۔ کہ مجھے رسول کریم صلے اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے حکم دیا ہے۔ کہ اعلان کر دوں۔ کہ شراب حرام کر دی گئی ہے۔ اس نے کہا۔ کہ ہم تو پہلے ہی شراب کے مٹکے توڑ چکے ہیں۔ خدا کی رحمتیں ہوں؛ اس شخص پر اس نے

عشق کا ایک ایسا نمونہ

قائم کیا۔ کہ قیس اور مجنوں کا عشق اگر اس میں کوئی حقیقت تھی بھی۔ اس کے عشق کے مقابل پر مرجھا کر رہ جاتا ہے۔ اس حقیقی محبت کے مظاہرہ سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ جہاں محبت ہوتی ہے۔ وہاں دلیلیں نہیں پوچھی جاتیں۔ وہاں انسان پہلے اطاعت کا اعلان کرتا ہے۔ پھر یہ سوچتا ہے۔ کہ میں اس حکم پر کس طرح عمل کروں۔ یہی کیفیات انبیاء کی ہوتی ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کا پہلا کلام اترتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی محبت ان کے دلوں میں اتنی ہوتی ہے۔ اتنی ہوتی ہے۔ کہ وہ دلیل بازی نہیں کرتے۔ اور جب خدا کی آواز ان کے کانوں میں پہنچتی ہے۔ تو وہ یہ نہیں کہتے کہ اے ہمارے رب کیا تو ہم سے ہنسی کر رہا ہے۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کہاں ہم اور کہاں یہ کام۔ بلکہ وہ کہتے ہیں۔ اے ہمارے رب بہت اچھا۔ اور یہ کہہ کر کام کے لئے اُٹھ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور اس کے بعد سوچتے ہیں۔ کہ اب انہیں کیا کرنا چاہیئے۔

یہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کیا۔ اور یہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی رات کیا۔ خدا نے کہا۔ اُٹھ اور دنیا کی ہدایت کے لئے کھڑا ہو۔ اور وہ فوراً کھڑے ہو گئے۔ اور پھر یہ سوچنے لگے۔ کہ اب میں یہ کام کس طرح کرونگا۔ پس آج سے پچاس سال پہلے کی وہ تاریخی رات جو دنیا کے آئندہ انقلابات کے لئے زبردست حربہ ثابت ہونے والی ہے۔ جو

آئندہ بننے والی نئی دنیا

کے لیے ابتدائی رات اور ابتدائی دن قرار دی جانے والی ہے۔ اگر ہم اس رات کا نظارہ سوچیں۔ تو یقیناً ہمارے دل اس خوشی کو بالکل اور نگاہ سے دیکھیں۔ ہم میں سے کتنے ہیں۔ جو یہ سوچتے ہیں۔ کہ یہ خوشی انہیں کس گھڑی کے نتیجہ میں ملی۔ یہ مسرت انہیں کس پل کے نتیجہ میں حاصل ہوئی۔ اور کس رات کے بعد ان پر کامیابی وکامرانی کا یہ دن چڑھا یہ خوشی اور یہ مسرت اور یہ کامیابی وکامرانی کا دن ان کو اس گھڑی اور اس رات کے نتیجہ میں ملا۔ جس میں ایک تن تنہا بندہ جو

دنیا کی نظروں میں حقیر

اور تمام دنیوی سامانوں سے محروم تھا۔ اسے خدا نے کہا۔ کہ اُٹھ اور دنیا کی ہدایت کے لئے کھڑا ہو۔ اور اس نے کہا۔ اے میرے رب میں کھڑا ہو گیا۔ یہ وہ وفاداری تھی۔ یہ وہ محبت کا صحیح مظاہرہ تھا۔ جسے خدا نے قبول کیا۔ اور اس نے اپنے فضل اور رحم سے اس کو نوازا۔

رونا اور ہنسنا دونوں ہی

اللہ تعالےٰ کی شان سے بعید

ہیں۔ لیکن محبت کی گفتگو میں اور محبت کے کلاموں میں یہ باتیں آ ہی جاتی ہیں۔ پس میں کہتا ہوں اگر خدا کے لئے بھی رونا ممکن ہوتا۔ اگر خدا کے لئے بھی ہنسنا ممکن ہوتا۔ تو جس وقت خدا نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کہا۔ کہ میں تجھے

دنیا کی اصلاح کے لئے

کھڑا کرتا ہوں۔ اور آپ فوراً کھڑے ہو گئے۔ اور آپ نے یہ سوچا تک نہیں۔ کہ یہ کام مجھ سے ہوگا کیونکر؟ اگر اس وقت خدا کے لئے رونا ممکن ہوتا۔ تو میں یقیناً جانتا ہوں۔ کہ خدا رو پڑتا۔ اور اگر خدا کے لئے ہنسنا ممکن ہوتا۔ تو وہ یقیناً ہنس پڑتا۔ وہ ہنستا بظاہر اس بے وقوفی کے دعوے پر جو تمام دنیا کے مقابلہ میں ایک نحیف وناتوان وجود نے کیا۔ اور وہ رو پڑتا اس جذبۂ محبت پر جو اس تن تنہا روح نے خدا کے لئے ظاہر کیا۔ یہی

سچی دوستی

تھی جو خدا کو منظور ہوئی۔ اور اسی رنگ کی سچی دوستی ہی ہوتی ہے۔ جو دنیا میں کام آیا کرتی ہے۔

میں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہی یہ واقعہ سُنا ہُوا ہے۔ کہ ایک باپ اپنے بیٹے کو ہمیشہ یہ نصیحت کیا کرتا تھا۔ کہ تم جلدی لوگوں کو دوست بنا لیتے ہو۔ یہ کوئی اچھی بات نہیں۔

سچے دوست کا ملنا بہت ہی مشکل ہوتا ہے

اور وہ کہتا۔ کہ آپ کو غلطی لگی ہوئی ہے۔ میرے دوست سب سچے ہیں۔ اور خواہ مجھ پر کیسی ہی مصیبت کا وقت آئے۔ یہ میری مدد سے گریز نہیں کریں گے۔ اس نے بہتیرا سمجھایا۔ مگر بیٹے پر کوئی اثر نہ ہُوا۔ باپ نے کہا۔ کہ میں ساٹھ ستر سال کی عمر کو پہنچ گیا۔ مگر مجھے تو اب تک صرف ایک ہی دوست ملا ہے۔ اور وہ بھی فلاں غریب شخص جسے اس کا بیٹا حقارت سے دیکھا کرتا تھا۔ اور اپنے باپ سے کہا کرتا۔ کہ آپ اتنے بڑے ہو کر اس سپاہی سے کیوں محبت رکھتے ہیں۔ اور باپ ہمیشہ یہی کہتا۔ کہ مجھے تمام عمر میں اگر کوئی سچا دوست ملا ہے۔ تو یہی ہے۔ آخر ایک دن اس نے اپنے بیٹے سے کہا۔ کہ تم میری بات نہیں مانتے۔ تو تجربہ کر لو۔ اور اپنے دوستوں سے جا کر کہو۔ کہ میرے باپ نے مجھے اپنے گھر سے نکال دیا ہے۔ میرے پاس رہنے کی کوئی جگہ نہیں۔ میرے لئے

رہائش اور خوراک کا انتظام

کر دو۔ اس نے کہا۔ بہت اچھا۔ چنانچہ وہ ایک ایک کے پاس گیا۔ مگر جس دوست کے پاس بھی جاتا۔ وہ پہلے تو کہتا۔ کہ آپ نے بڑی عزت افزائی فرمائی۔ سنائیے آپ کا کیسے آنا ہُوا۔ اور جب یہ کہتا۔ کہ میرے باپ نے مجھے نکال دیا ہے۔ اب میں آپ کے پاس آیا ہوں۔ تاکہ آپ میری رہائش وغیرہ کا انتظام کر دیں۔ تو وہ یہ سنتے ہی

کوئی بہانہ بنا کر

اندر چلا جاتا۔ غرض اسی طرح اس نے سارے دوستوں کا چکر لگا لیا۔ اور آخر باپ کے پاس آ کر کہا۔ کہ آپ کی بات ٹھیک نکلی۔ میرے دوستوں میں سے ایک بھی تو نہیں۔ جس نے مجھے منہ لگایا ہو۔ باپ نے کہا اچھا تم نے اپنے دوستوں کا تو تجربہ کر لیا۔ اب آج کی رات میرے دوست کا بھی تجربہ کر لینا۔ چونکہ وہ امیر آدمی تھا۔ اس لئے وہ اپنے دوست کے مکان پر نہیں جایا کرتا تھا۔ اکثر وہی اس کے مکان پر آ جاتا۔ مگر اس رات وہ اچانک بیٹے کو ساتھ لے کر اپنے دوست کے مکان پر گیا۔ اور دروازہ پر دستک دی۔ آدھی رات کا وقت تھا۔ اس نے پوچھا۔ کون اس نے اپنا نام بتایا۔ کہ میں ہوں۔ وہ کہنے لگا۔ بہت اچھا۔ ذرا ٹھہرئیے۔ میں آتا ہوں۔ یہ باہر انتظار کرنے لگ گئے۔ مگر کافی وقت گزر گیا۔ اور وہ اندر سے نہ نکلا۔ یہ دیکھ کر بیٹا کہنے لگا۔ جناب آپ کا دوست بھی آخر ویسا ہی نکلا۔ باپ کہنے لگا۔ ذرا ٹھہرو۔ مایوس نہ ہو۔ دیر لگانے کی کوئی وجہ ہو گی۔ آخر کوئی آدھ گھنٹہ کے بعد وہ دوست باہر نکلا۔ اسکی حالت یہ تھی۔ کہ اس نے گلے میں تلوار لٹکائی ہوئی تھی۔ ایک ہاتھ میں روپوں کی تھیلی تھی۔ اور دوسرے ہاتھ سے اس نے اپنی بیوی کا ہاتھ پکڑا ہُوا تھا۔ اور کہنے لگا معاف کیجیئے۔ مجھے دیر ہو گئی۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ جب مجھے آپ کی آواز آئی۔ تو میں نے سمجھا۔ کہ ضرور

کوئی بڑا کام

ہے۔ جس کے لئے آپ رات کو میرے پاس آئے ہیں۔ میں نے سوچا۔ کہ آخر آپ کو مجھ سے اس وقت کیا کام ہو سکتا ہے۔ اور میرے دل میں خیال پیدا ہُوا۔ کہ دنیا میں مصیبتیں آتی رہتی ہیں۔ اور بعض دفعہ بڑے بڑے امیر آدمی بھی بلاؤں میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ پس میں نے سمجھا۔ کہ شاید کوئی بیمار ہے۔ جس کی خدمت کے لئے مجھے بلایا ہے۔ اس لئے میں نے فوراً اپنی بیوی کو جگایا۔ اور کہا۔ کہ میرے ساتھ چل۔ ممکن ہے۔ کسی خدمت کی ضرورت ہو۔ پھر میں نے سوچا۔ ممکن ہے۔ کسی دشمن سے مقابلہ ہو۔ جس میں میری جان کی ضرورت ہو۔ سو اس خیال کے آنے پر میں نے تلوار نکال کر گلے میں لٹکا لی۔ کہ اگر جانی قربانی کی ضرورت ہو۔ تو میں اس کے لئے بھی حاضر ہوں۔ پھر میں نے سوچا۔ کہ آپ امیر تو ہیں ہی۔ مگر بعض دفعہ امراء پر بھی ایسے اوقات آ جاتے ہیں۔ کہ وہ روپوں کے محتاج ہو جاتے ہیں۔ پس میں نے سوچا کہ شاید اس وقت آپ کو روپوں کی ضرورت ہو۔ میں نے ساری عمر تھوڑا تھوڑا جمع کر کے کچھ روپیہ حفاظت سے رکھا ہُوا تھا۔ اور اسے زمین میں ایک طرف دبا دیا تھا۔ اس خیال کے آنے پر میں نے زمین کو کھود کر اس میں سے تھیلی نکالی۔ اور اب یہ تینوں چیزیں حاضر ہیں۔ فرمائیے۔ آپ کا کیا ارشاد ہے؟ دنیا کی زبان میں یہ دوستی کی

نہایت ہی شاندار مثال

ہے۔ اور انسان ایسے جذبات کو دیکھ کر بغیر اس کے کہ وہ اپنے دل میں شدید ہیجان محسوس کرے نہیں رہ سکتا۔ مگر اس دوستی کا اظہار اس دوستی کے مقابلہ میں کچھ بھی تو نہیں۔ جو نبی اپنے خدا کے لئے ظاہر کرتے ہیں۔ وہاں قدم قدم پر مشکلات ہوتی ہیں۔ وہاں قدم قدم پر قربانیاں پیش کرنی پڑتی ہیں۔ اور وہاں قدم قدم پر مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ پس نبیوں کا جواب اپنے خدا کو ویسا ہی ہوتا ہے۔ بلکہ اس سے بہت بڑھ کر۔ جیسے اس غریب آدمی نے امیر آدمی کو دیا۔ بے شک اگر ہم معقولات کی نظر سے اس کو دیکھیں اور

منطقی نقطۂ نگاہ

سے اس پر غور کریں۔ تو اس غریب آدمی کی یہ حرکت ہنسی کے قابل نظر آتی ہے۔ کیونکہ اس امیر کے ہزاروں نوکر چاکر تھے۔ ان کے ہوتے ہوئے اسکی بیوی نے کیا زائد خدمت کر لینی تھی۔ اسی طرح وہ لاکھوں کا مالک تھا۔ اس کو سو ڈیڑھ سو روپیہ کی تھیلی کیا فائدہ پہنچا سکتی تھی۔ اور خود اس کے کئی پہرہ دار اور محافظ تھے۔ اسکو اس دوست کی تلوار کیا نفع پہنچا سکتی تھی۔ مگر محبت کے جوش میں اس نے یہ نہیں سوچا۔ کہ میری تلوار کیا کام دیگی۔ میرا تھوڑا سا روپیہ کیا فائدہ دے گا۔ اور میری بیوی کیا خدمت سرانجام دے سکے گی۔ اس نے اتنا ہی سوچا۔ کہ جو کچھ میرے پاس ہے۔ وہ مجھے حاضر کر دینا چاہیئے۔ ایسے ہی

بیوقوفی کے واقعات

میں مجھے بھی اپنا ایک واقعہ یاد ہے۔ کئی دفعہ اس واقعہ کو یاد کر کے میں ہنسا بھی ہوں۔ اور بسا اوقات میری آنکھوں میں آنسو بھی آ گئے ہیں۔ مگر میں اسے بڑی قدر کی نگاہ سے بھی دیکھا کرتا ہوں۔ اور مجھے اپنی زندگی کے جن واقعات پر ناز ہے۔ ان میں وہ ایک حماقت کا

Digitized by Khilafat Library Rabwah

واقعہ بھی ہے۔ وہ واقعہ یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں ایک رات ہم سب صحن میں سو رہے تھے۔ گرمی کا موسم تھا۔ کہ آسمان پر بادل آیا۔ اور زور سے گرجنے لگا۔ اسی دوران میں قادیان کے قریب ہی کہیں بجلی گر گئی۔ مگر اسکی کڑک اس زور کی تھی۔ کہ قادیان کے ہر گھر کے لوگوں نے یہ سمجھا۔ کہ یہ بجلی شاید ان کے گھر میں ہی گری ہے۔ ہمارے مدرسہ میں ہی ایک واقعہ ہؤا۔ جس کو یاد کر کے لڑکے مدتوں ہنستے رہے۔ اور وہ یہ کہ فخر الدین ملتانی جو بعد میں مرتد ہو گیا۔ وہ اس وقت طالب علم تھا۔ اور بورڈنگ ہاؤس میں رہا کرتا تھا۔ جب بجلی کی زور سے کڑک ہوئی۔ تو اس نے اپنے متعلق سمجھا۔ کہ بجلی شاید اس پر گری ہے۔ اور وہ ڈر کے مارے چارپائی کے نیچے چھپ گیا۔ اور زور زور سے آواز دینے لگا۔ کہ بلی بلی۔ بجلی کا لفظ اس کے منہ سے نکلتا ہی نہیں تھا۔ ڈر کے مارے بلی بلی کہنے لگ گیا۔ پہلے تو سارے ہی لڑکے بھاگ کر کمروں میں چلے گئے۔ مگر پھر تھوڑی دیر کے بعد باہر نکلے۔ تو اسے چارپائی کے نیچے چھپا ہؤا پایا۔ اور دیکھا۔ کہ وہ بلی بلی کر رہا ہے۔ آخر پوچھا۔ تو اس کے ہوش ٹھکانے آئے۔ اور کہنے لگا۔ مجھ پر بجلی گر پڑی ہے۔ تو وہ اتنی زور کی کڑک تھی۔ کہ ہر شخص نے یہ سمجھا۔ کہ اسی کے قریب بجلی گری ہے۔ اس کڑک کی وجہ سے اور کچھ بادلوں کی وجہ سے تمام لوگ کمروں میں چلے گئے۔ جس وقت بجلی کی یہ کڑک ہوئی اس وقت ہم بھی جو صحن میں سو رہے تھے۔ اُٹھ کر اندر چلے گئے۔ مجھے آج تک وہ نظارہ یاد ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جب اندر کی طرف جانے لگے۔ تو میں نے

اپنے دونوں ہاتھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سر پر

رکھ دیئے۔ کہ اگر بجلی گرے۔ تو مجھ پر گرے۔ ان پر نہ گرے۔ بعد میں جب میرے ہوش ٹھکانے آئے۔ تو مجھے اس اپنی اس حرکت پر ہنسی آئی۔ کہ ان کی وجہ سے تو ہم نے بجلی سے بچنا تھا۔ نہ یہ کہ ہماری وجہ سے وہ بجلی سے محفوظ رہتے میں سمجھتا ہوں۔ میری وہ حرکت ایک مجنون کی حرکت سے کم نہیں تھی۔ مگر مجھے ہمیشہ خوشی ہؤا کرتی ہے۔ کہ اس واقعہ نے مجھ پر بھی اس محبت کو ظاہر کر دیا۔ جو مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے تھی۔ بسا اوقات انسان خود بھی نہیں جانتا۔ کہ مجھے دوسرے سے کتنی محبت ہے۔ جب اس قسم کا کوئی واقعہ ہو۔ تو اسے بھی اپنی محبت کی وسعت اور اسکی گہرائی کا اندازہ

ہو جاتا ہے۔ تو جس وقت محبت کا انتہائی جوش اٹھتا ہے۔ عقل اس وقت کام نہیں کرتی۔ محبت پرے پھینک دیتی ہے عقل کو۔ اور محبت پرے پھینک دیتی ہے فکر کو۔ اور وہ آپ سامنے آجاتی ہے۔ جس طرح چیل جب مرغی کے بچوں پر حملہ کرتی ہے۔ تو مرغی بچوں کو جمع کر کے اپنے پروں کے نیچے چھپا لیتی ہے۔ اور بعض دفعہ تو محبت ایسی ایسی حرکات کرا دیتی ہے۔ کہ دنیا اسے پاگل پنے کی حرکات قرار دیتی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے۔ کہ وہ جنون دنیا کی ساری عقلوں سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔ اور دنیا کی ساری عقلیں اس ایک مجنونانہ حرکت پر قربان کی جا سکتی ہیں۔ کیونکہ

اصل عقل وہی ہے جو محبت سے پیدا ہوتی ہے

نبی کو بھی جب آواز آتی ہے۔ کہ خدا زمین و آسمان کو پیدا کرنے والا خدا۔ خدا عزت و شوکت کو پیدا کرنے والا خدا۔ بادشاہوں کو گدا۔ اور گداؤں کو بادشاہ بنانے والا خدا۔ حکومتوں کو قائم کرنے۔ اور حکومتوں کو مٹانے والا خدا۔ دولتوں کے دینے اور دولتوں کو لے لینے والا خدا۔ رزق کے دینے اور رزق کو چھیننے والا خدا۔ زمین و آسمان کے ذرہ ذرہ اور کائنات کا مالک خدا آواز دیتا ہے۔ ایک کمزور ناتوان اور نحیف انسان کو کہ

میں مدد کا محتاج ہوں

میری مدد کرو۔ تو وہ کمزور اور ناتوان اور نحیف بندہ عقل سے کام نہیں لیتا۔ وہ یہ نہیں کہتا۔ کہ حضور کیا فرما رہے ہیں؟ کیا حضور مدد کے محتاج ہیں۔ حضور تو زمین و آسمان کے بادشاہ ہیں۔ میں کنگال غریب اور کمزور آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں۔ وہ یہ نہیں کہتا۔ بلکہ وہ نحیف و زار اور کمزور جسم کو لے کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ میں حاضر ہوں۔ میں حاضر ہوں۔ کون ہے۔ جو ان جذبات کی گہرائیوں کا اندازہ کر سکتا ہے۔ سوائے اس کے جسے

محبت کی چاشنی

سے تھوڑا بہت حصہ ملا ہو۔ آج سے پچاس سال پہلے اسی خدا نے پھر یہ آواز بلند کی۔ اور قادیان کے گوشۂ تنہائی میں پڑے ہوئے ایک انسان سے کہا۔ کہ مجھے مدد کی ضرورت ہے۔ مجھے دنیا میں ذلیل کر دیا گیا ہے۔ میری دنیا میں کوئی عزت نہیں۔ میرا دنیا میں کوئی نام لیوا نہیں۔ میں بے یار و مددگار ہوں۔ اے میرے بندے میری مدد کر۔ اس نے یہ نہیں سوچا۔ کہ کہنے والا کون ہے۔

اور جس سے خطاب کیا جاتا ہے۔ وہ کون ہے۔ اسکی عقل نے یہ نہیں کہا۔ کہ مجھے بلانے والے کے پاس تمام طاقتیں ہیں۔ میں بھلا اسکی کیا مدد کر سکتا ہوں۔ اسکی محبت نے اس کے دل میں ایک آگ لگا دی۔ اور وہ دیوانہ وار جوش میں کھڑا ہو گیا۔ اور کہنے لگا۔

میرے رب میں حاضر ہوں

میرے رب میں حاضر ہوں۔ میرے رب میں بچاؤں گا۔ میرے رب میں بچاؤں گا۔ یہی تو وہ ساعت ہے۔ جس کے متعلق اللہ تعالےٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ کہ لیلۃ القدر خیر من الف شھر۔ اس رات پر ہزاروں راتیں قربان ہیں۔ اور چونکہ بار بار ایسی راتیں آجاتی ہیں۔ اسلیئے خدا نے خیر من الف شھر کہا۔ ورنہ اگر ایک ہی رات ہوتی۔ تو دنیا کی ساری راتیں اس ایک رات اس ایک گھنٹے اس ایک منٹ اور اس ایک سیکنڈ پر قربان کی جا سکتی ہیں۔ جب ایک کمزور بندہ اپنی محبت کے جوش میں بغیر سوچے سمجھے اور بغیر عواقب پر غور کئے تلوار لے کر کھڑا ہو جاتا اور

خدا کے ارد گرد پہرہ

دینے لگ جاتا ہے۔ وہ کیا ہی شاندار نظارہ ہوتا ہے۔ جب قادر و قدیر خدا۔ جب زمین و آسمان کو پیدا کرنے والا خدا ایک نحیف و زار جسم کے ساتھ چارپائی پر لیٹا ہؤا ہوتا ہے۔ اور ایک نحیف و زار انسان جو اپنی کمر بھی سیدھی نہیں کر سکتا۔ وہ تلوار لے کر اس کے ارد گرد پہرہ دے رہا ہوتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ میں اسے بچاؤں گا۔ میں اسے بچاؤں گا۔ اس سے زیادہ

محبت کا شاندار نظارہ

کبھی نظر نہیں آسکتا۔ اور کبھی نظر نہیں آسکتا۔ یہی رات ہمارے زمانہ میں بھی آئی۔ اور خدائے قادر نے آواز دی۔ کہ کوئی بندہ ہے۔ جو مجھے بچائے تب زمین کے گوشوں میں سے ایک کمزور شخص آگے بڑھا۔ اور اس نے کہا۔ اے میرے رب میں حاضر ہوں۔ عقلمند انسان چاہے اسے بیوقوفی قرار دیں۔ اور فلاسفر چاہے اسے نادانی قرار دیں۔ مگر جیسا کہ میں نے ابھی کہا ہے ہزاروں عقلیں اس بے وقوفی پر قربان کی جا سکتی ہیں۔ اور ہزاروں فلسفے کے خیالات اس بظاہر نادانی کے خیال پر قربان کئے جا سکتے ہیں۔ پھر اس کا وہ اعلان محض وقتی اعلان نہ تھا۔ اس کا اظہار محبت ایک وقتی جوش نہ تھا۔ وہ کھڑا ہو گیا۔ اور کھڑا ہی رہا۔ یہاں تک کہ اس نے اپنے مقصود کو حاصل کر لیا۔

کیا تم نے کبھی گھروں میں نہیں دیکھا۔ کہ وہاں بعض دفعہ کیا تماشا ہؤا کرتا ہے۔ میں نے تو اس قسم کا تماشا کئی دفعہ دیکھا۔ اور میں سمجھتا ہوں۔ ہر گھر میں کبھی نہ کبھی ایسا ہو جاتا ہوگا۔ کہ کبھی کبھی مائیں ہنسی کے طور پر کپڑا منہ پر ڈال کر رونے لگ جاتی ہیں۔ اور اُوں اُوں کرتے ہوئے اپنے کسی بڑے بھائی یا خاوند یا کسی دوسرے عزیز رشتہ دار کا نام لے کر بچے سے کہتی ہیں۔ کہ وہ مجھے مارتے ہیں۔ یہ دیکھ کر دو ڈیڑھ سال کا بچہ کود کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور اپنا ہاتھ اٹھا لیتا ہے۔ گویا وہ اس شخص کا مقابلہ کرنے کے لیئے تیار ہو جاتا ہے۔ جس کے متعلق اسکی ماں کہتی ہے۔ کہ وہ مجھے مارتا ہے۔ حالانکہ ماں کو بچانا تو الگ رہا۔ بعض دفعہ وہ اپنا ہاتھ بھی اچھی طرح نہیں اٹھا سکتا۔ مگر جانتے ہو۔ یہ کیا ہوتا ہے۔ یہ

محبت کا مظاہرہ

ہوتا ہے۔ کہ بچہ یہ نہیں دیکھتا۔ میں کمزور اور ناتوان ہوں۔ بلکہ ماں جب اسے آواز دیتی ہے۔ تو وہ اپنی کمزور حالت کو نظر انداز کرتے ہوئے اسکی مدد کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے۔ یہی حالت اس رات اس گھڑی اس سیکنڈ اور اس پل میں نبیوں کی ہوتی ہے۔ خدا تعالےٰ کہتا ہے۔ اے میرے بندے میں چھوڑ دیا گیا۔ اے میرے بندے مجھے دنیا نے دھتکار دیا۔ اور مجھے اپنے گھر سے نکال دیا۔ کوئی ہے۔ جو مجھے بچائے۔ اور وہ ناتوان اور نحیف بندہ چھوٹے سے نادان بچے کی طرح مٹھیاں بھینچ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ میں بچاؤں گا۔ میں بچاؤں گا۔ پھر وہ صرف کہتا ہی نہیں۔ بلکہ اس کو بچانے میں لگ جاتا ہے۔ اس بچے کا تو عشق کامل نہیں ہوتا۔ اگر واقعہ میں جو شخص ہنسی کر رہا ہوتا ہے۔ وہ اس بچے کو تھپڑ مارے۔ تو اس نے ماں کو تو کیا بچانا ہے۔ وہ خود ماں سے لپٹ جائے گا۔ اور دوڑ کر اسکی گود میں چلا جائے گا۔ مگر یہ شخص ایسا ہوتا ہے۔ کہ دنیا اسے مارتی ہے۔ ہاتھوں سے بھی اور لاتوں سے بھی اور دانتوں سے بھی۔ اور چاروں طرف سے اس پر لعنت اور پھٹکار ڈالی جاتی ہے۔ مگر وہ اپنے جسم کو ہلاتا نہیں۔ وہ چیختا نہیں۔ وہ چلاتا نہیں۔ بلکہ برابر مقابلہ کئے جاتا ہے۔ یہانتک کہ

خدا تعالےٰ کی رحمتیں

نازل ہونے لگتی ہیں۔ اور ایک ایک کر کے۔ ایک ایک کر کے۔ ایک ایک کر کے بندوں کو وہ خدا تعالےٰ کے دربار میں لانا شروع کر

Digitized by Khilafat Library Rabwah

دیتا ہے۔ وہ

کمزور بازو طاقت پکڑنے لگ جاتے ہیں

وہ لڑکھڑانے والی زبان مضبوط ہونے لگ جاتی ہے۔ وہ دبی ہوئی آواز طاقت وقوت پکڑتی جاتی ہے۔ اور وہ نہایت ہی ذلیل نظر آنے والا وجود اپنے اندر ایسی ہیبت پیدا کرلیتا ہے۔ کہ لوگ اس سے کانپنے اور اس کے سامنے کھڑا ہونے سے لرزتے ہیں۔ اور وہ قربانی کرتا چلا جاتا ہے۔ کرتا چلا جاتا ہے۔ اور کرتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ کے حضور وہ ایک جماعت کو لا ڈالتا ہے۔ اور زمین و آسمان کا خدا جسے لوگوں نے اپنے گھروں میں سے نکال دیا تھا۔ اس کے لئے نئے نئے محلات بننے لگ جاتے ہیں۔ کوئی یہاں۔ کوئی وہاں۔ کوئی ادھر کوئی کوئی اُدھر۔ اور وہ خدا جو مسیح کی طرح اپنے نبی کو یہ آواز دیتا ہے۔ کہ اے میرے بندے۔ لومڑیوں کے بھٹ ہوتے ہیں۔ اور ہوا کے پرندوں کے گھونسلے۔ مگر میرے لئے تو سر چھپانے کی بھی جگہ نہیں۔ اس کے لئے وہ سب سے پہلے اپنے

دل کا دروازہ

کھول دیتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ اے میرے رب یہ گھر حاضر ہے۔ پھر وہ اور گھروں کے تالے کھولتا ہے۔ اور دیوانہ وار اور مجنونانہ وار کھولتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک گھر کی بجائے خدا کے کئی گھر ہو جاتے ہیں۔ اور خدا کی حکومت زمین پر اسی طرح قائم ہو جاتی ہے۔ جس طرح وہ آسمان پر قائم ہے۔ پھر یہ سلسلہ بڑھتا جاتا ہے۔ بڑھتا جاتا ہے۔ اور بڑھتا جاتا ہے۔ یہانتک کہ ایک وقت آتا ہے۔ جب خدا اپنے بندے سے کہتا ہے۔ کہ میرے بندے تو نے بہت خدمت کرلی۔ اور میں سمجھتا ہوں۔ تو نے اپنی خدمت کا حق ادا کردیا۔ پس جس طرح تو نے اپنے دل کو میرے لئے کھولا تھا۔ اور اپنے دل کو میرا گھر بنایا تھا۔ اسی طرح آج میں تجھ کو اپنے گھر میں بلاتا ہوں۔

آ اور میرے پاس بیٹھ

پس خدا اسکو اپنے پاس بلالیتا اور وہ دنیا کی تکلیفوں اور شورشوں سے آزاد ہو جاتا ہے۔

اس نبی کے بلائے جانے کے بعد دنیا میں جو بیج بوئے ہوتے ہیں۔ وہ پھر نئی جدوجہد شروع کر دیتے ہیں۔

نبوت خلافت کا جامہ پہن لیتی ہے

اور خلافت کے ذریعہ پھر خدا انکے لئے نئے قلوب کی فتح شروع ہو جاتی ہے۔ یہی اس زمانہ میں ہوا۔ اور جب ہم نے ایک جشن منایا۔ ایک خوشی کی تقریب سرانجام دی۔ تو کسان کی زبان میں ہم نے یہ کہا۔ کہ ہم نے پہلی فصل کاٹ لی۔ مگر کیا جانتے ہو۔ کہ دوسرے لفظوں میں ہم نے کیا کہا۔ دوسرے لفظوں میں ہم نے یہ کہا۔ کہ آج سے پچاس سال پہلے جو ایک بیج بویا گیا تھا۔ اس بیج کی فصل ہم نے کاٹ لی۔ اب ہم ان بیجوں سے جو پہلی فصل سے تیار ہوئے تھے۔ ایک نئی فصل بونے لگے ہیں۔ اس

عظیم الشان کام کے آغاز

کے بعد تم سمجھ سکتے ہو۔ کہ تم پر کتنی عظیم الشان ذمہ واریاں عاید ہوگئی ہیں۔ تم نے اب اپنے اوپر یہ ذمہ واری عاید کی ہے۔ کہ جس طرح ایک بیج بڑھ کر اتنی بڑی فصل ہوگیا۔ اسی طرح اب تم ان بیجوں کو بڑھاؤ گے۔ جو اس فصل پر تم نے بوئے ہیں۔ اور اسی رنگ میں بڑھاؤ گے۔ جس رنگ میں پہلی فصل بڑھی۔ پس ہم نے جشنِ مسرت مناکر اس بات کا اعلان کیا ہے۔ کہ جس طرح ایک بیج سے لاکھوں نئے بیج پیدا ہوگئے تھے۔ اسی طرح اب ہم ان لاکھوں بیجوں کو از سرِ نو زمین میں بوتے ہیں۔ جس کے معنے یہ ہیں۔ کہ پچھلے پچیس یا پچاس سال میں جس طرح سلسلہ نے ترقی کی ہے۔ اسی طرح اتنے ہی گنے اگلے پچیس یا پچاس سال میں ہم آج کی جماعت کو بڑھادیں گے۔ یہ کوئی معمولی ذمہ واری نہیں۔ جو تم نے اپنے اوپر عائد کی۔ گذشتہ پچاس سال میں ایک بیج سے لاکھوں بیج بنے تھے۔ اب جب تک اگلے پچاس سال میں ان لاکھوں سے کروڑوں نہیں بنیں گے۔ اس وقت تک ہم اپنی ذمہ واری سے سبکدوش نہیں سمجھے جائیں گے۔ اگر ہم جشن نہ مناتے۔ اگر ہم یہ نہ کہتے۔ کہ

الحمد للہ کہنے کا زمانہ

آگیا۔ تو ہم ایاک نعبد وایاک نستعین کا زمانہ بھی پیچھے ڈال سکتے تھے۔ مگر جب ہم نے جشن منالیا۔ اور پہلی فصل کاٹ لی۔ تو بالفاظ دیگر ہم نے دوسری فصل کو بو دیا۔ اور ہمارا کام از سرِ نو شروع ہو گیا۔ اور جبکہ ایک بیج سے اتنے دانے نکلے تھے۔

تو کیا اب ہمارا فرض نہیں۔ کہ ہم ان بیجوں کو اتنے گنے بڑھائیں۔ جتنے گنے وہ ایک بیج بڑھا۔ اور پھولا اور پھلا۔ پس یقیناً اس جشن کے بعد ہم پر بہت بڑی ذمہ واری عائد ہو چکی ہے۔ کیونکہ کیا بلحاظ جانی قربانیوں کے کیا بلحاظ مالی قربانیوں کے۔ کیا بلحاظ علمی ترقیات کے۔ کیا بلحاظ تبلیغ کے۔ کیا بلحاظ تعلیم و تربیت کے اور کیا بلحاظ کثرت تعداد اور زیادت نفوس کے غرض ہر رنگ میں ہم نے

پہلی فصل کے کاٹنے اور دوسری فصل کے بونے کا اعلان

کیا ہے۔ مگر پہلی فصل صرف ایک بیج سے شروع ہوئی تھی۔ اور اس دوسری فصل کی ابتدا لاکھوں بیجوں سے ہوتی ہے۔ اس لئے جب تک ہم یہ ارادہ نہ کرلیں۔ کہ ان لاکھوں بیجوں کو اتنی ہی تعداد سے ضرب دیں گے۔ جتنی تعداد سے اس ایک بیج نے ضرب کھائی تھی۔ اس وقت تک ہم نہیں کہہ سکتے۔ کہ ہم نے اپنی ذمہ واریوں کو سمجھ لیا ہے مالی لحاظ سے وہ فصل خالی خزانے سے شروع ہوئی تھی۔ اور لاکھوں تک پہنچ گئی۔ مگر یہ فصل اب

لاکھوں سے شروع

ہوتی ہے۔ اسی طرح وہ فصل ایک کلمہ سے شروع ہوئی تھی۔ اور سینکڑوں کتابوں تک پہنچ گئی۔ اور یہ فصل سینکڑوں کتابوں سے شروع ہوئی ہے۔ پس جب تک اب لاکھوں روپیہ سے کروڑوں روپیہ اور سینکڑوں کتابوں سے ہزاروں اور لاکھوں کتابیں نہ بن جائیں۔ اس وقت تک ہمارا کام ختم نہیں ہو سکتا۔

غرض اس جشن کے منانے سے ہم نے یہ اعلان کیا ہے۔ کہ ہم نے پہلی فصل کاٹ لی۔ اور نئے سرے سے اس سے حاصل شدہ بیجوں کو زمین میں ڈال دیا۔ میرا تو جسم کا ذرہ ذرہ کانپ جاتا ہے۔ جب مجھے یہ خیال آتا ہے کہ کتنی اہم ذمہ واری ہے۔ جو جماعت نے اپنے اوپر عائد کی۔ اگر ہم پہلی فصل نہ کاٹتے تو ہماری ذمہ واریاں کم رہتیں۔ مگر جب ہم نے اس فصل کو کاٹ کر الحمد للہ کہا۔ تو ایاک نعبد وایاک نستعین کی ذمہ واریوں کی ادائیگی کا سامان بھی ہمیں مہیا کرنا پڑا۔ پس میں جماعت کے دوستوں کو ان کی ذمہ واریوں کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ اس جلسہ کے نتیجہ میں ہم نے لاکھوں نئے بیج زمین میں بو دیئے ہیں۔ اب ہمارا فرض ہے۔ کہ اگلے پچیس یا پچاس سال میں ہم جماعت میں حیرت انگیز طور پر تغیر پیدا کریں۔ کیا بلحاظ آدمیوں کی تعداد کے اور کیا بلحاظ مالی قربانی کے۔ اور کیا بلحاظ تبلیغ کے۔ اور کیا بلحاظ تربیت کے۔ اور کیا بلحاظ تعلیم کے۔ آج سے مثلاً پچیس یا پچاس سال کے بعد اگر ہم نئی فصل کے ویسے ہی شاندار نتائج نہ دکھائیں۔ جیسے پہلی پچاس سالہ فصل کے نتائج نکلے۔ تو ہماری الحمد بے معنی اور ہماری ایاک نعبد وایاک نستعین جھوٹی ہو جاتی ہے۔

پس میں جماعت کے دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ اس جلسہ کے بعد ان کو

اپنی نئی ذمہ واریاں

بہت جوش اور توجہ کے ساتھ ادا کرنی چاہئیں۔ اب ہماری پہلی فصل کے جو نتائج رونما ہوئے ہیں۔ ہماری کوشش یہ ہونی چاہیئے۔ کہ اگر اس سے زیادہ نہیں۔ تو کم سے کم اتنے ہی گنے نتائج نئی فصل کے ضرور رونما کردیں۔ اور اگر پہلے ایک سے لاکھوں ہوئے۔ تو آج سے پچاس سال کے بعد وہ کروڑوں ضرور ہو جائیں۔ اگر آج سے پچیس سال پہلے جماعت دس بارہ گنے بڑھی تھی۔ تو اگلے پچیس سال میں کم سے کم دس بارہ گنے ضرور بڑھ جانی چاہیئے۔ مگر یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ جب تک ہر احمدی کیا مرد اور کیا عورت اور کیا بچہ اور کیا بوڑھا۔ اور کیا کمزور اور کیا مضبوط اپنے ذمہ یہ فرض عائد نہ کرلے۔ کہ میں احمدیت کی ترقی کے لئے اپنے اوقات صرف کروں گا۔ اور

اپنی زندگی کا اولین مقصد

اشاعت دین اور اشاعت احمدیت سمجھوں گا۔ اسی طرح علمی طور پر کب ترقی ہو سکتی ہے۔ جب تک ہماری جماعت کا ہر فرد دین سیکھنے اور دینی باتیں سننے اور پڑھنے کی طرف توجہ نہ کرے۔ اسی طرح مالی قربانی میں کب ترقی ہو سکتی ہے۔ جب تک ہماری جماعت نہ صرف قربانیوں میں بیش از بیش ترقی کرے۔ بلکہ اپنے اخراجات میں بھی دیانتداری سے کام لے۔ مال ہمیشہ دونوں طرح سے بڑھتا ہے۔ زیادہ قربانیوں سے بھی بڑھتا ہے۔ اور زیادہ دیانتداری سے خرچ کرنے سے بھی بڑھتا ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک دفعہ ایک شخص کو ایک دینار دیا۔ اور فرمایا۔ جاکر قربانی کے لئے کوئی عمدہ سا

Digitized by Khilafat Library Rabwah

بکرا لا دو۔ اس نے کہا۔ بہت اچھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ حاضر ہوا۔ اور کہنے لگا۔ یا رسول اللہ۔ یہ بکرا موجود ہے۔ اور ساتھ ہی اس نے دینار بھی رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو واپس کر دیا۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حیران ہوئے۔ اور فرمایا۔ یہ کس طرح؟ وہ کہنے لگا یا رسول اللہ۔ مدینہ میں شہر کی وجہ سے چیزیں گراں ملتی ہیں۔ میں دس بارہ میل باہر نکل گیا۔ وہاں آدھی قیمت پر بکرے فروخت ہو رہے تھے۔ میں نے ایک دینار میں دو بکرے لے لئے۔ اور واپس چل پڑا۔ جب میں آ رہا تھا۔ تو رستہ میں ایک شخص مجھے ملا۔ اسے بکرے پسند آئے۔ اور کہنے لگا۔ اگر فروخت کرنا چاہو۔ تو ایک بکرا مجھے دے دو۔ میں نے ایک بکرا ایک دینار میں اسے دے دیا۔ پس اب بکرا بھی حاضر ہے۔ اور دینار بھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس سے بہت ہی خوش ہوئے۔ اور آپ نے اس کے لئے دعا فرمائی۔ کہ خدا تجھے برکت دے۔ صحابہ رضٰ کہتے ہیں۔ اسی دعا کے نتیجہ میں اسے ایسی برکت ملی۔ کہ اگر وہ مٹی میں بھی ہاتھ ڈالتا۔ تو وہ سونا بن جاتی۔ اور لوگ بڑے اصرار سے اپنے روپے اسے دیتے۔ اور کہتے۔ کہ یہ روپیہ کہیں تجارت پر لگا دو۔ غرض

کروڑوں کروڑ روپیہ اسے آیا

تو اچھی طرح خرچ کرنے سے بھی مال بڑھتا ہے۔ مال بڑھنے کی صرف یہی صورت نہیں ہوتی۔ کہ ایک کے دو بن جائیں۔ بلکہ اگر تم

ایک روپیہ کا کام اٹھنی میں

کرتے ہو۔ تو بھی تمہارے دو بن جاتے ہیں۔ بلکہ اگر تم روپیہ کا کام اٹھنی میں کرتے ہو۔ اور ایک روپیہ زائد بھی کما لیتے ہو۔ تو تمہارے دو نہیں بلکہ چار بن جائیں گے۔ پس صرف یہی کوشش نہیں ہونی چاہیئے۔ کہ مالی قربانیوں میں زیادتی ہو۔ بلکہ اخراجات میں کفایت کو بھی مدنظر رکھنا چاہیئے۔ اور میں کارکنوں کو بالخصوص اس طرف توجہ دلاتا ہوں۔ کہ وہ ایک روپیہ کا کام اٹھنی میں کرنے کی کوشش کیا کریں۔

غرض اب جو ہمارے پاس جماعت موجود ہے۔ اب جو ہمارے پاس روپیہ ہے۔ اب جو ہمارے پاس تبلیغی سامان ہیں۔ اب جو ہمارے دنیا میں مشن قائم ہیں۔ اب جو ہماری تعلیم اور اب جو ہماری تربیت ہے۔ ان سب کو

نیا بیج

تصور کر کے آئندہ پچاس سال میں ہمیں جماعت کی ترقی کے لئے سرگرم جد وجہد کرنی چاہیئے۔ تاکہ آئندہ پچاس سال میں موجودہ حالت سے ہماری تعداد بھی بڑھ جائے۔ ہمارا مال بھی بڑھ جائے۔ ہمارا علم بھی بڑھ جائے۔ ہماری تبلیغ بھی بڑھ جائے۔ اور اسی نسبت سے بڑھے۔ جس نسبت سے وہ پہلے پچاس سال میں بڑھا۔ اگر ہم اس رنگ میں کوشش نہیں کرینگے۔ تو اس وقت تک

ہماری نئی فصل

کبھی کامیاب نہیں کہلا سکتی۔ مگر یہ کام ویسا ہی ناممکن ہے۔ جیسے آج سے پچاس سال پہلے نظر آتا تھا۔ پھر اس وقت خدا کا ایک نبی کھڑا تھا۔ بے شک اس وقت کوئی احمدی نہ تھا۔ مگر خدا کا نبی دنیا میں موجود تھا۔ جو اس پیغام کو لے کر دنیا میں کھڑا تھا۔ مگر آج وہ نبی ہم میں موجود نہیں اور اس وجہ سے ہماری آواز میں وہ شوکت نہیں۔ جو اسکی آواز میں شوکت تھی۔ پس آج ہمیں اس سے زیادہ آواز بلند کرنی پڑے گی۔ اور ہمیں اس سے زیادہ قربانیاں کرنی پڑیں گی۔ اس کے لئے دعائیں بھی کرو۔ اور اللہ تعالےٰ کے دروازہ کو کھٹکھٹاؤ۔ اور یاد رکھو۔ کہ جب تک جماعت

دعاؤں پر یقین

رکھے گی۔ جب تک تم ہر بات میں اللہ تعالےٰ سے امداد کے طالب رہو گے۔ اسی وقت تک تمہارے کاموں میں برکت رہے گی۔ مگر جس دن تم یہ سمجھو گے۔ کہ یہ کام تم نے کیا۔ جس دن تم یہ سمجھو گے۔ کہ یہ نتائج تمہاری محنت سے نکلے۔ اور جس دن تم یہ سمجھو گے۔ کہ یہ ترقی تمہاری کوششوں کا نتیجہ ہے۔ اس دن تمہارے کاموں میں سے برکتیں بھی جاتی رہیں گی۔ کیا تم نہیں دیکھتے۔ کہ آج دنیا میں تم سے بہت زیادہ طاقتور قومیں موجود ہیں۔ مگر ان سے کوئی نہیں ڈرتا۔ اور تم سے سب لوگ ڈرتے ہیں۔ اسکی کیا وجہ ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے۔ کہ تمہاری مثال اس تار کی سی ہے۔ جس کے پیچھے بجلی کی طاقت ہوتی ہے۔ اب اگر تار یہ خیال کرے۔ کہ لوگ مجھ سے ڈرتے ہیں۔ تو یہ اسکی حماقت ہوگی۔ کیونکہ لوگ تار سے نہیں۔ بلکہ اس بجلی سے ڈرتے ہیں۔ جو اس تار کے پیچھے ہوتی ہے۔ جب تک اس میں بجلی رہتی ہے۔ ایک طاقتور آدمی بھی اگر تار پر ہاتھ رکھے۔ تو وہ اس کے ہاتھ کو جلا دے گی۔ لیکن اگر بجلی نہ رہے۔ تو ایک کمزور انسان بھی اس تار کو توڑ پھوڑ سکتا ہے۔ پس اللہ تعالےٰ کے ساتھ تعلق رکھو

اور اس بجلی کو اپنے اندر سے نکلنے نہ دو بلکہ اسے بڑھاؤ اور ترقی دو۔ تبھی اور تبھی تم کامیابی کو دیکھ سکتے اور نئی فصل زیادہ شان اور زیادہ عمدگی کے ساتھ پیدا کر سکتے ہو۔ لیکن اگر یہ بجلی نکل گئی۔ تو پھر تم کچھ بھی نہیں رہو گے۔ ہاں اگر یہ بجلی رہی۔ تو دنیا کی کوئی طاقت تمہارا مقابلہ نہیں کر سکے گی۔ اور اس صورت میں تمہارا یہ عزم کہ تم اگلے پچاس سال میں تمام دنیا پر چھا جاؤ۔ ناممکن نہیں ہوگا۔ کیونکہ کام خدا نے کرنا ہے۔ اور خدا کے لئے کوئی چیز ناممکن نہیں۔

چین کا ہفتہ

ہانگ کانگ سے ایک جرمن قیدی رفوچکر ہو گیا

(فاروق کے نامہ نگار خصوصی مقیم ہانگ کانگ کی چٹھی)

اخبار سنڈے ہیرلڈ کو معلوم ہوا ہے۔ کہ Karl Jocheim جرمن قیدی جو آخر ستمبر میں کالون (ہانگ کانگ) ہسپتال میں سے اپنی بیوی کی مدد سے بھاگ گیا تھا۔ آج کل یوکوہاما جاپان میں ہے۔ اخبار سنڈے ہیرلڈ میں ایک جاپانی اخبار سے اخذ کر کے ایک مضمون اسی سلسلہ میں شائع ہوا ہے۔ جو مختصراً ناظرین فاروق کے پیش کیا جاتا ہے۔ مذکورہ جرمن کا بیان ہے۔ کہ " جنگ شروع ہونے کے دن شام کے سات بجے چھ پولیس مین مع دو انگریز افسروں کے آئے۔ اور آکر کہا۔ کہ جنگ کا اعلان ہو گیا ہے۔ اس لئے ہم تم کو گرفتار کرنے کے لئے آئے ہیں۔ چنانچہ مجھے گرفتار کر کے واٹر پولیس سٹیشن میں لے جایا گیا۔ جہاں بعد اندراج نام۔ کام۔ مقام وغیرہ La Salle College کی عمارت میں پہنچا دیا گیا۔ جہاں اسوقت تک قریباً ساٹھ جرمن قیدی لائے جا چکے تھے۔ ہم پر پہرہ کے لئے ہندوستانی فوج تھی۔ اپنے آپ کو اس بے بسی و بے کسی کی حالت میں پا کر میں سخت حیران و پریشان ہوا۔ میں آتے وقت گھر سے ایک سوٹ کیس میں بعض ضروری اشیاء ساتھ لایا تھا۔ وہ بھی اور خط و کتابت۔ نیز اسی قسم کے دوسرے کاغذات اور پاسپورٹ وغیرہ مجھ سے لے لئے گئے۔ صرف صابن اور شیونگ مشین میرے پاس رہی۔ اس کے بعد مجھے بالاخانہ میں لے جایا گیا۔ جہاں میں لیٹ گیا۔ میرا دماغ اس وقت مختلف قسم کے خیالات و افکار کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ کبھی مجھے اپنی بے بسی پر رونا آتا۔ اور کبھی ظالموں کے ظلم پر (ہٹلر پر نہیں۔ کہ جس نے دنیا کو لڑائی کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ ناقل) اس حالت میں میں نے یہ خواہش کی۔ کہ جاپانی ہانگ کانگ پر حملہ کر دیں۔ اور اس عمارت پر جس میں ہم قید ہیں۔ بمباری کر کے تباہ و برباد کر ڈالیں۔ پھر مجھے خیال آیا۔ کہ یہ جنگ بہت عرصہ تک رہیگی۔ اور مجھے اتنی دیر تک قید میں ہی رہنا ہوگا۔ پھر میں نے قید سے بھاگنے کی تدابیر سوچنا شروع کیں۔ چنانچہ میں نے اپنے ذہن میں ایک نقشہ بنا لیا۔ اور قید ہونے سے چوتھے دن کے بعد انگریز سپرنٹنڈنٹ سے کہا۔ کہ میں فلپائن میں انجینئر تھا۔ وہاں کانوں کے سکے کے زہریلے اثرات سے چھ ماہ تک سخت بیمار رہا ہوں۔ اس لئے مجھے خوراک کے ساتھ دودھ بھی دیا جاوے۔ مجھے ڈاکٹری ہدایت ہے۔ کہ جب تک مکمل صحت نہ ہو جاوے۔ دودھ کا استعمال باقاعدہ اور بافراغت رکھا جاوے۔ سپرنٹنڈنٹ نے فوراً میرا ڈاکٹری معاینہ کرایا۔ میں نے ڈاکٹر کو اس ایکسرے کی تصویریں دکھائیں۔ جو فلپائن میں کرایا تھا۔ ڈاکٹر نے ملٹری ہسپتال میں مجھے داخل کر لیا۔ جہاں سے سول ہسپتال کالون میں میری تبدیلی کر دی گئی۔ اور میری بیوی کو اجازت دی گئی۔ کہ وہ ہر وقت مجھے مل سکتی ہے۔ جب میں کالون ہسپتال میں آ گیا۔ اور میری بیوی میرے پاس آئی۔ تو میں نے اسے مشورہ کیا۔ کہ وہ روزانہ رات کے گیارہ بجے کرایہ کی موٹر کار ہسپتال کی متصل سڑک میں لے آیا کرے۔ میں نے کئی دن تک ایسا کرایا۔ اور مجھے یقین ہو گیا۔ کہ میں یہاں سے باآسانی بھاگ سکتا ہوں۔ چنانچہ ایک رات گیارہ بجے شب جب موٹر آئی۔ پہرہ دار خراٹے لے رہے تھے میں چپکے سے اپنا مختصر سا سامان لیکر کار میں آ گیا۔ اور موٹر ڈرائیور کو حکم دیا۔ کہ فلنگ (فنلنگ ساحل سمندر جہاں ہسپتال ہے۔ سے ۲۳ میل باہر انگریزی علاقہ میں شہر کا نام ہے) موٹر کو لے چلے۔ راستہ میں ہندوستانی سپاہی نے کار ٹھہرانے کے لئے کہا۔ جسے جرمن نے جواب دیا۔ کہ میں گورنمنٹ کا افسر ہوں۔ اور فلنگ ضروری کام کے لئے جا رہا ہوں جس پر پولیس مین نے کوئی مزاحمت نہ کی۔ رات ۱۲ ½ بجے ہم میاں بیوی فلنگ پہنچے۔ اور موٹر ڈرائیور کو پیسے دیکر واپس کیا۔ اسکے بعد چاول کے کھیتوں میں سے جن میں پانی تھا۔ بہت تکلیف سے سردی میں ٹھٹھرتے ہوئے ریلوے لائن عبور کی۔ اور پھر پہاڑیوں اور وادیوں میں ٹھوکریں کھاتے رہے۔ اتفاقاً ایک چینی مل گیا۔ جس کو انعام کا وعدہ دیا۔ اور کہا۔ کہ جاپانی علاقہ کی طرف رہنمائی کر۔ چنانچہ چینی کی مدد سے ساری رات ٹھوکریں کھانے کے بعد اور نہایت کڑی مصیبتیں برداشت کرنے کے بعد جاپانی علاقہ میں پہنچے جب ہم جاپانی علاقہ میں کھڑے تھے۔ تو ایک پولیس مین نے انگریزی علاقہ کی سرحد پر سے ہمیں آوازیں دینا شروع کیں۔ لیکن اس کو سرحد عبور کرنے کا حکم نہ تھا۔ ہم نے اسکی کوئی پرواہ نہ کی۔ ہمیں علم تھا۔ کہ وہ ہم تک نہیں آ سکتا جس بدبدہ چینی آدمی (جس نے ہماری مدد کی تھی) کو ۲۰ ڈالر انعام دیکر رخصت کیا۔ اتنے میں جاپانی آ گئے۔ انہوں نے ہمیں گرفتار کر لیا۔ ہم

ہوں اور دو دن تک خوب مزے کی خدمت کی۔ پھر ہمیں نہایت آرام اور سہولت سے کینٹن اور کینٹن سے جاپان پہنچا دیا گیا۔ جہاں ہمیں ہر طرح کا آرام اور سہولت ہے۔ مضمون نگار جرمن کی بیوی نصف جاپانی نسل سے ہے اسی وجہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جاپانی انگریزوں کے قیدیوں کو نکالنے کی کوشش کر کے دنیا کو دھوکا دے رہے ہیں۔ یہ حقیقت ہے۔ کہ جاپانی چین میں یورپین اقوام کو ایک نظر بھی دیکھنا گوارا نہیں کر سکتے۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

عیسائی مشن!

کیا قرآن مجید کتب مقدسہ کا خوشہ چین ہے؟

عیسائیوں کے ایک مایۂ ناز اعتراض کا جواب

(۳)

قرآنی تعلیمات کی طرح قرآن کے قصص بائیبل کے قصوں کے مقابلہ میں ارفع و اعلیٰ درجہ رکھتے ہیں۔ جو کہ بطور داستان بیان نہیں ہوئے۔ بلکہ ان کی تہ میں عظیم الشان پیشگوئیاں ہیں۔ آئندہ کی خبریں ہیں۔ اس معجزہ میں قرآن کو منفردانہ حیثیت حاصل ہے۔ کہ اس کے قصے کہانیاں بائیبل کی طرح افسانوی رنگ میں بیان نہیں ہوئے۔ بلکہ عظیم الشان پیشگوئیوں کی حیثیت میں۔ جو اپنے وقت پر پوری ہوئیں۔ اور ان کا پورا ہونا اس امر کی محکم دلیل ہے۔ کہ یہ قصے بائیبل سے ماخوذ نہیں۔ نہ انسانی افترا ہیں۔ بلکہ ربانی الہام۔

قصۂ یوسف علیہ السلام اور آنحضرت صلعم

چنانچہ خدا تعالےٰ نے یوسف علیہ السلام کے قصے کے آخر میں فرمایا۔ کہ یہ باتیں محض قصہ کے رنگ میں بیان و عیان نہیں ہوئیں۔ بلکہ یہ وہ غیب کی خبریں ہیں۔ جو ہم تیری طرف وحی کرتے ہیں۔ ۱۲: ۱۰۳ پھر فرمایا کہ یوسف اور ان کے بھائیوں میں ان لوگوں کے لئے جو نبی کریم صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے متعلق سوال کرتے ہیں نشانیاں یا پیشگوئیاں ہیں" ۱۲، ۸۔

چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام اور آنحضرت صلعم کے واقعات زندگی میں بدیہی مماثلت ہے۔ یہ قصہ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے حال پر منطبق ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے ساتھ آپ کی قوم نے وہی معاملہ کیا۔ جو یوسف علیہ السلام کے ساتھ آپ کے بھائیوں نے کیا تھا۔ لیکن انجام کار یوسف علیہ السلام کو ایک دوسرے ملک میں عزت و کامیابی حاصل ہوئی۔ اسی طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو اپنا وطن مالوف چھوڑنا پڑا۔ اور مدینہ میں آپ فائز المرام ہوئے۔ اور بالآخر قریش مکہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی طرح لائے گئے۔ اپنی خطاؤں کا اقرار کیا۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے اسی سلوک کے خواہاں ہوئے۔ جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کیا۔ چنانچہ آپ نے محصورین کو یوسف علیہ السلام کی طرح لاتثریب علیکم الیوم کہہ کر معاف کر دیا۔ اب غور کرو۔ وہ پیشگوئی کس شان اور جاہ و جلال سے پوری ہوئی۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی بے کسی اور بے بسی کی حالت میں ان الفاظ میں کی گئی۔ "یقیناً یوسفؑ اور اس کے بھائیوں کے بیان میں .... پیشگوئیاں ہیں" ۱۲: ۸

موسیٰ علیہ السلام اور مثیل موسیٰ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے لئے متعدد پیشگوئیاں ہیں۔ چنانچہ خدا تعالےٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو موسیٰ علیہ السلام کا مثیل قرار دیا۔ اس میں یہ پیشگوئی تھی۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جن واقعات سے دوچار ہونا پڑا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو بھی ایسے ہی واقعات سے گذرنا پڑیگا۔ مثلاً خدا تعالےٰ سورہ بنی اسرائیل میں فرماتا ہے۔ کہ فرعون نے ارادہ کیا۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کو ملک سے نکال دیوے۔ تو ہم نے فرعون اور اس کے سب لاؤلشکر کو غرق کر دیا۔ اور بعد اس کے بنی اسرائیل کو ہم نے کہا۔ کہ تم موعودہ زمین میں آباد ہو جاؤ۔ ۱۷: ۱۰۴۔ اب یہی سلوک فراعنہ عرب نے آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے ساتھ کیا۔ لیکن انجام کار مکہ میں خدا تعالیٰ آپ کو فتح و غلبہ کے ساتھ واپس لایا۔ چنانچہ اسی صورت میں مذکورہ آیت کے پہلے ہجرت اور فتح مکہ کی پیشگوئی روشن الفاظ میں کی گئی۔ جو بعینہٖ اپنے وقت پر پوری ہوئی۔ فرمایا "قریب ہے۔ کہ یہ لوگ تمہیں زمین (مکہ) سے نکال دیں۔ لیکن جب وہ ایسا کریں گے۔ تو وہ تیرے پیچھے چند دن ہی رہیں گے۔ یہی پہلے رسولوں کی سُنّت چلی آتی ہے۔ (یعنی جب ان کی قوم ان کو اپنے ملک سے نکالتی ہے۔ تو خدا تعالےٰ اس قوم کو ہلاک کر کے اسی زمین کا ان کو وارث کر دیتا ہے) اور خدا تعالیٰ کی سنت بدلتی نہیں۔ ..... اور تو دعا کر۔ اے میرے رب جب تو مجھے (مکہ) میں داخل کرے۔ تو سچائی کے ساتھ۔ اور جب تو مجھے یہاں سے نکالے۔ تو صدق و سلامتی کے ساتھ اپنے حضور سے مجھ کو غلبہ اور کامیابی عطا کر۔ اے رسول کہہ دے۔ کہ آیا حق اور باطل بھاگ گیا۔ یقیناً باطل بھاگنے والا ہے۔ (۱۷: ۷۶ تا ۸۱) اب دیکھئے موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں مثیل موسیٰ کے لئے یہ کیسی مبرہن پیشگوئی ہے۔

قصۂ اصحاب کہف

علیٰ ہٰذا القیاس اصحاب کہف کا قصہ ہے۔ جس قصہ میں یہ بیان ہوا۔ کہ چند نیک آدمیوں کو ایک بت پرست کے مظالم سے تنگ آ کر ایک غار میں پناہ ڈھونڈھنی پڑی۔ اس بیان کے بعد اللہ تعالےٰ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ قل عسیٰ اَن یّھدین ربّی لاقرب من ھٰذا رشدا۔ کہدے۔ مجھ کو بھی ایسے واقعات پیش آویں گے۔ "لیکن خدا تعالےٰ مجھے قریب کے زمانہ میں رشد و کامیابی عطا کرے گا۔"

چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ کو بت پرستوں کے مظالم کے باعث ہجرت کرنی پڑی۔ اصحاب کہف کی طرح غار میں پناہ لی۔ اور پھر پیشگوئی کے مطابق قریب ترین زمانہ میں فتح و غلبہ حاصل ہوا۔

ہجرت کے بعد فتح و غلبہ

قرآنی قصص میں انبیاء کے متعلق ہجرت اور اس کے بعد فتح و غلبہ کے ساتھ مراجعت کا ذکر بالخصوص کیا گیا۔ جیسا کہ سورہ ابراہیم میں خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ کافروں نے اپنے نبیوں سے کہا۔ کہ ہم تم کو اپنے ملک سے ضرور نکال دیں گے۔ اس پر انبیاء کرام پر وحی الٰہی نازل ہوئی۔ کہ ہم تمام لوگوں کو ضرور ہلاک کرینگے اور اس کے بعد ہم تمہیں اسی زمین میں (جس سے وہ تمہیں نکالتے ہیں) آباد کریں گے۔ ۱۴: ۱۶۔ اب نظر بصیرت سے دیکھو! قصص انبیاء میں ایسے واقعات بیان کرنے میں یہی حکمت تھی۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو بھی ایسے ہی واقعات سے سامنا ہوگا۔ چنانچہ سورہ قصص (مکیہ) کے آخر میں مذکورہ واقعات انبیاء بیان کرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی فتح و غلبہ کی پیشگوئی مبرہن الفاظ میں کی گئی۔ فرمایا وہ خدا جس نے "قرآن تم پر فرض کیا ہے۔ وہ یقیناً تم کو تمہاری پہلی جگہ (مکہ معظمہ) کی طرف پھیر لائے گا۔ ۲۸: ۸۵

خدارا غور کرو۔ اگر قرآنی قصص بائیبل سے ماخوذ اور محض انسانی افترا تھے۔ تو ان میں بیان فرمودہ پیشگوئیاں آنحضرت صلعم کی ذات میں کیونکر پوری ہو سکتی تھیں۔ الغرض قرآنی قصص فی الحقیقت بطور پیشگوئی کے بیان ہوئے ہیں۔ ان قصوں میں آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے پیش آمدہ واقعات کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔

قرآنی قصص اور معصومیت انبیاءؑ

علاوہ بریں بائیبل کے قصوں میں انبیاء کرام پر نہایت گندے الزامات لگائے گئے۔ جن کے پڑھنے سے ایک شریف انسان کو روحانی تکلیف ہوتی ہے۔ اور مجھ پر کپکپی ہوتی ہے۔ کیا کوئی بتا سکتا ہے۔ کہ بائیبل نے کسی نبی کے سوانح حیات بیان کئے ہوں۔ اور اس نبی پر کوئی سنگین الزام نہ لگایا ہو۔ تو ان حالات میں لازم تھا۔ کہ قرآن ان الزامات کی تردید کرتا۔ اور انبیاءؑ کے حقیقی اور مقدس سوانح حیات بیان کرتا۔ چنانچہ ان قصوں کو قرآن میں احسن القصص کی صورت میں جگہ ملی۔ غرض جس طرح گھاس۔ پھوس اور چارہ گائے کے پیٹ میں جا کر لہو اور تھنوں میں جا کر دودھ بن جاتا ہے۔ اسی طرح تورات و انجیل کی بعض تعلیمات کہانیاں اور داستانیں قرآن میں آ کر نور اور حکمت بن گئیں"۔ (مسیح موعودؑ)

پس سرقہ کا الزام قرآنی حقائق و دقائق سے کامل جہالت کا مظاہرہ ہے۔ اور تمام کتب مقدسہ کا مضحکہ اڑانا ہے۔

قرآن کریم کی تحدّی

قرآن کریم نے نہایت جاہ و جلال اور پُرشکوہ الفاظ میں یہ تحدّی کی۔ کہ یہ قرآن اس وحدہٗ لاشریک کا نازل کردہ ہے۔ جو علیم و حکیم ہے۔ جس کے لئے اسرار و غوامض کھلے پڑے ہیں۔ تمام دنیا کو چیلنج دیا۔ کہ اگر تم اسے انسانی افترا سمجھتے ہو۔ تو اسکی مثل تو پیش کرو۔ بلکہ یہاں تک رعایت دی۔ کہ فاتوا بسورۃ من مثلہٖ بار بار کہا گیا۔ (۳) کہ یہ رب العالمین کی

Digitized by Khilafat Library Rabwah

طرف سے نازل کردہ کلام ہے۔ جو روح الامین کے ذریعہ رسول اللہ کے قلب پر نازل ہوا۔ افصح ابلغ عربی زبان میں تاکہ لوگوں کو ڈرائے۔ ۲۶ : ۹۲۔ (ب) قرآن کی جمع و ترتیب بلکہ اسکی قرأت کے بھی ہم ذمہ وار ہیں۔ ۷۵ : ۱۸ (ج) یقیناً ہم نے یہ ذکر نازل کیا۔ اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ (د) یہ قرآن عزت والا ہے محفوظ کتاب کی صورت میں...... جس کو رب العالمین نے نازل کیا۔ (واقعہ) (ل) بلکہ وہ عزت والا قرآن مجید ہے۔ لوح محفوظ میں لکھا ہوا (البروج) (س) یہ وہ کتاب ہے جس میں باطل ہرگز راہ نہ پا سکے گا۔ نہ آگے سے نہ پیچھے سے۔ کیونکہ یہ کلام مجید اور حکیم ہستی کا الہام ہے۔ الم ۲ : ۲ (ص) برکت والی ہے وہ ہستی جس نے قرآن اپنے بندے پر نازل کیا۔ تاکہ وہ اس عالمگیر شریعت کے ذریعہ تمام جہانوں کو ڈرائے۔ (۲۵ : ۲) (ض) اے محمد رسول اللہ۔ ضرورت حقہ کے ساتھ تیرے پر یہ کتاب نازل ہوئی سدالعمران یہ دعویٰ و تحدی جو قرآن کریم کے مافوق البشر حقائق و دقائق اور اسرار و رموز پہ زبردست شہادت ہے۔ اور جو ایک امی محض کی زبان وحی ترجمان پر جاری وساری ہوا۔ اگر انسانی افترا ہے۔ تو انسان اسکی مثل لا کر قرآن کی تحدی توڑنے سے کیوں یکسر قاصر رہا۔ قرآن کریم کا یہ دعویٰ روز آخر تک دشمنان اسلام کے سر پر گونجتا رہے گا۔ کہ "اگر تمام انسان متحد ہو کر قرآن کریم کی مثل لانے کی کوشش کریں۔ تو وہ کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔" (بنی اسرائیل ع ۱۰) مستشرقین کو اس دعوے نے ورطۂ حیرت میں ڈال دیا چنانچہ کونٹ ہنری دی کاسٹری بھی اپنی کتاب "الاسلام" میں لکھتے ہیں:۔ "عقل بالکل حیرت زدہ ہے۔ کہ اس قسم کا کلام اس شخص کی زبان سے کیونکر ادا ہوا۔ جو بالکل امی تھا۔ تمام مشرق نے اقرار کیا ہے۔ کہ یہ وہ کلام ہے۔ کہ نوع انسانی لفظاً و معناً ہر لحاظ سے اسکی نظیر پیش کرنے سے عاجز و قاصر ہے۔" (ماخوذ)

کس سے اس نور کی ممکن ہو جہاں میں تشبیہ
وہ تو ہر بات میں ہر وصف میں یکتا نکلا

ہم پھر بآواز بلند یہ آوازۂ حق سر بلند کرتے ہیں۔ کہ مذکورہ بالا قرآنی آیات حق و حقیقت پر مبنی ہیں۔ جس پر واقعات نے مہر توثیق ثبت کر دی۔ چنانچہ

اول:۔ قرآن نے ایک انقلاب روحانی برپا کر دیا۔ دوئم یہ شریعت مسطورہ بالا آیات کے بیان کے مطابق عالمگیر ثابت ہوئی۔ یعنی انسانی قویٰ کے تمام پہلوؤں پر حاوی و مشتمل اور مکمل لائحہ عمل ہے۔ جس حقیقت کا اقرار مستشرقین نے کھلے الفاظ میں کیا۔ سوئم یہ شریعت پیشگوئی کے مطابق محفوظ الٰہی شریعت ثابت ہوئی۔ جس میں بطالت کسی پہلو سے راہ نہ پا سکی۔ ہاں یہ شریعت بے لوث رہے گی۔ اس کا شوشہ شوشہ تاقیامت محفوظ رہے گا۔ محققین یورپ نے قرآن کریم کے اس اعجاز اور تاریخی عظمت کا اقرار متنظاہر الفاظ میں کیا۔ چنانچہ سر ولیم میور لکھتے ہیں:۔ "اس بات کی پوری اندرونی اور بیرونی ضمانت موجود ہے۔ کہ قرآن اب بھی اسی صورت و شکل میں ہے۔ جیسا کہ وہ محمد صلعم کے وقت میں تھا۔" پھر لکھتے ہیں "مسلمانوں کے قرآن کا ہماری انجیل کے ساتھ مقابلہ کرنا جو بدقسمتی سے بہت کچھ محرف و مبدل ہو چکی ہے۔ دو ایسی چیزوں کا مقابلہ کرنا ہے۔ جن کو ایک دوسری سے کوئی بھی مشابہت نہیں۔" (ماخوذ)

جرمنی کا مشہور ترین مستشرق پروفیسر نولڈیک لکھتا ہے:۔ "یورپین علماء کی یہ کوشش کہ قرآن میں کوئی تحریف ثابت ہو۔ قطعاً ناکام رہی ہے۔" (انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا) (ماخوذ) پس قرآن کریم کی پیشگوئی کے مطابق اس کتاب کی معجزنما محفوظیت اور قطعیت اس امر کی محکم دلیل ہے۔ کہ یہ ایک بادیہ نشین محض امی مقدس نبی عربی کا افتراء نہیں۔ بلکہ ربانی الہام ہے۔ چہارم۔ قرآن کریم کی پیشگوئیاں جاہ و جلال سے پوری ہوئیں۔ انسانی افترار کی صورت میں یہ کیونکر ممکن تھا؟ پنجم یہ شریعت اپنے دعوے کے مطابق فصاحت و بلاغت کے آسمان میں نہایت بلند پرواز ہے۔ حقائق و دقائق سے معمور۔ معانی و مطالب۔ معارف اور خوبصورت ترتیب کے باعث بے مثل ہے۔ اس شریعت کی مثل لانے سے تمام انسان عاجز ہیں۔ چنانچہ خدا تعالےٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ کہ کفار کہتے ہیں۔ "تو اپنے دل سے آیتیں بنا لیتا ہے۔ ان کا یہ قول ان کی جہالت اور فقدان علم پر دال ہے۔ کہدے اس قرآن کو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے روح القدس کے ذریعہ ضرورت حقہ کے وقت اتارا گیا...... ہم کو خوب علم ہے۔ کہ وہ کہیں گے۔ کہ اس کو انسان سکھاتا ہے۔ مگر جس کی نسبت یہ کہہ رہے ہیں اسکی زبان عجمی ہے۔ اور یہ تو فصیح ترین عربی ہے (سورہ نحل رکوع ۱۴) جس کی مثل لانے سے تمام انسان عاجز و قاصر ہیں۔ پس کسی کی مدد سے قرآن بنانے کا اعتراض سراسر باطل ہے۔ الغرض یہ تمام امور اور دیگر امور متنظاہرہ اس امر کی زبردست شہادت ہیں۔ کہ یہ کلام ایک امی کا افترا نہیں۔ بلکہ اس کا سرچشمہ الہام ربانی ہے

برأت کا زبردست ثبوت

خدارا غور تو کرو۔ یہ کیونکر باور ہو سکتا ہے۔ کہ مقدس نبی عربی نے مذاہب عالم کی کتب مقدسہ کے مطالعہ کے بعد قرآن کو ترتیب دیا۔ جیسا کہ جرمن کا ماہر شفیلڈ اپنی کتاب "نیو ریسرچ" میں رقمطراز ہے۔ کہ "محمد رسول اللہ نے ضرور صحائف مقدسہ پڑھ کر نوٹ رکھ لئے ہوں گے۔ جن کو موقع بموقع قرآن میں درج کرتے گئے۔" جبکہ آپ امی محض تھے۔ لیکن یہ جمع و ترتیب اور خوبصورت تعلیمات کی تدوین کا عظیم الشان کام تو وہی کر سکتا ہے۔ جسے علوم ظاہری میں وسعت اور تجربہ حاصل ہو۔ نہ کہ وہ جو امی محض تھا۔ جو یونانی۔ عبرانی۔ لاطینی۔ ارمنی۔ بابلی قبطی سنسکرت وغیرہ زبانوں سے محض ناآشنا تھا۔ لیکن یہ کتنا حیرت انگیز دعویٰ ہے۔ جو ینابیع الاسلام کے مصنف نے کیا۔ کہ قرآن مذکورہ السنہ کی کتابوں کا نچوڑ ہے۔ بنظر خلوص دیکھو۔ محمد مصطفےٰ صلعم محض امی تھے۔ تو یہ کیونکر ممکن ہے۔ کہ آپ دنیا و جہاں کی کتابیں زیر مطالعہ رکھتے تھے۔ ان کتابوں سے خوبصورت تعلیمات کا ایک گلدستہ تیار کرتے۔ قرآن اس کا نام رکھتے۔ اس کے متعلق یہ تحدی کرتے۔ کہ یہ اللہ تعالےٰ کا الہام ہے۔ اس میں بطالت ہرگز راہ نہ پا سکے گی۔ یہ ایک عالمگیر اور بے لوث شریعت کی صورت میں تاقیامت محفوظ رہے گا۔ اس کلام مجید کی پیشگوئیاں خارق عادت طور پر پوری ہوں گی۔ اور جیسا آپ نے کہا تھا۔ ویسا ہی دنیا نے پایا۔ پس عقل سلیم اور واقعات ایسے ناپاک خیالات کو دھکے دے رہے ہیں۔ کہ مقدس نبی عربی پر بغیر کسی تاریخی شہادت کے ایسا ناپاک الزام عاید کیا جائے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے آپ کی برأت کا یہ زبردست ثبوت ان الفاظ میں پیش کیا۔ کہ جس طرح ہم نے گذشتہ انبیاء پر کتابیں نازل کیں۔ اسی طرح ہم نے تجھ پر یہ کتاب نازل کی۔ اس کتاب کا وہی انکار کر سکتا ہے۔ جس پر کفر غالب ہو۔ قرآن کے نازل ہونے سے قبل (اے محمد رسول اللہ) تو کوئی کتاب پڑھا تو نہ کرتا تھا۔ اور نہ کچھ لکھ سکتا تھا۔ کہ باطل پرست ایسا شک و شبہ کر سکیں۔ کہ کتابیں پڑھ کر قرآن بنا لیا۔ (۲۹ : ۴۸) اس موقعہ پر دوسری صورت جو عیسائی ناقدین کی طرف سے پیش کی جاتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عیسائی اور یہودی عالموں کی مدد سے یہ کام سرانجام دیا۔ لیکن اس کا ثبوت ندارد۔ تو پھر یہ کتنا ظلم ہے۔ جو ایک عظیم الشان مذہبی ریفارمر پر کیا جا رہا ہے۔ ع

کچھ تو لوگو خدا سے شرماؤ

یہ اعتراض تار عنکبوت سے بھی کمزور نظر آتا ہے جبکہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ قرآن میں تمام مذاہب باطلہ کی زبردست تردید موجود ہے۔ اگر کہو عیسائی علماء کی مدد سے قرآن مرتب کیا۔ تو عیسائیت کا رد قرآن میں بڑے شد و مد سے کیا گیا۔ اور سچ پوچھو۔ تو عیسائیت کی ریڑھ کی ہڈی توڑ دی۔ اگر کہو۔ یہودی مددگار تھے۔ تو یہودیوں کی ضلالتوں کو قرآن نے کھول کھول کر رکھ دیا۔ اگر کہو۔ کہ آپ نے ان کو اپنا پیر و بنا لیا تھا۔ تو بتلاؤ۔ وہ ایمان کیا خاک لائے گا۔ جس کو علم ہے۔ کہ یہ سب کچھ افترار ہے۔ اور پھر آپ کے ماننے والوں کو روح فرسا تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ بایں حالت بعض لوگوں کو یہ جانتے ہوئے کہ یہ افترار کا کاروبار ہے۔ تکالیف و مصائب برداشت کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر وہ یہ راز افشا کر دیتے۔ تو ان کی عزت و تکریم بہت بڑھ جاتی۔ علاوہ بریں بنظر غائر دیکھو عقل سلیم کی روشنی میں غور کرو۔ کہ کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مددگاروں کی زبان ایسی افصح و ابلغ تھی۔ اور ان کی جمع و ترتیب اور خوبصورت تعلیمات کی تدوین ایسی معجزنما ہو سکتی تھی۔ کہ اسکی مثل پیش کرنے سے انسان عاجز رہے؟ چنانچہ قرآن نے نہایت تحدی آمیز دعوے میں اس الزام کی تردید ان الفاظ میں کی۔ "کافروں نے کہا۔ یہ تو محض جھوٹ ہے۔ جس کو اس نے اپنی طرف سے خود بنا لیا ہے۔ اور دوسرے لوگوں نے اس امر میں اسکی مدد کی ہے۔" اس کے جواب میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ "ان کا یہ قول صریح ظلم اور جھوٹ ہے۔ اور پھر کافروں نے کہا۔ کہ یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ جو اس نے لکھ رکھی ہیں۔ اور وہی اس پہ صبح و شام پڑھی جاتی ہیں۔ اے رسول تو کہہ دے۔ کہ یہ قرآن اس ہستی کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ جس کی آنکھیں زمین و آسمان اور ما فیہما کے اسرار کو محیط ہیں۔" ۲۵ : ۵۔ یعنی یہ کہانیاں نہیں۔ بلکہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ہفتہ بھر کی چیدہ خبریں

— ۲۰ جنوری ۷۵ فی صدی جرمن ہٹلر کے خلاف ہیں۔

— سی۔ پی گورنر کی رخصت کے دنوں میں غالباً سر ظفر اللہ خان صاحب گورنر ہونگے۔

— فن لینڈ کے ہوائی جہازوں نے چار روسی ہوائی جہاز گرادئے۔

— ۲۱ جنوری۔ آئندہ پنجاب میں مسلمانوں کو ۷۵ فی صدی ملازمتیں دی جاویں گی۔

— ہندوستانیوں کی پانچ پلٹنیں اور تیار کی جائیں گی۔

— اتحادی فتح حاصل کرنے کے لئے ساری طاقت خرچ کردیں گے۔

— جرمنی پولینڈ کے تین لاکھ قیدیوں سے مزدوری کا کام لے رہا ہے۔

— علیگڈھ یونیورسٹی کو نظام دکن نے ایک لاکھ روپیہ دیا ہے۔

— جنگ کے سات ہفتوں میں بے شمار ٹینکوں اور مشین گنوں پر قبضہ کرنے کے علاوہ دوسَو پانچ روسی ہوائی جہازوں کو گرایا جاچکا ہے۔

— کانگرس ورکنگ کمیٹی نے مہاتما گاندھی کو مکمل اختیارات دے دئیے ہیں۔

— ضلع بستی میں فرقہ وارانہ فساد پر پولیس کو گولی چلانی پڑی۔

— برطانیہ ۲۵ کروڑ پونڈ کے امریکہ سے ہوائی جہاز خرید رہا ہے۔

— رومانیہ کی سرحد پر جرمن فوجیں جمع ہورہی ہیں۔

— سینکڑوں روسی ہوائی جہازوں نے فن لینڈ کے طول و عرض میں بمباری کی۔

— پندرہ ہزار سرکردہ پولوں کو گولی سے اڑادیا گیا۔

— ہندوستان نے فن لینڈ کے لئے دس لاکھ بوریاں مفت بھیجی ہیں۔

— ہینگچو کے قریب پچاس ہزار چینی تباہ کردئیے گئے ہیں۔

— لکھنؤ میں پھر شیعہ سُنی کشیدگی شروع ہوگئی ہے۔

— بلجیم پر حملہ کیا گیا۔ تو برطانیہ اسکی مدد کرے گا۔

— چین جنگ کو جاری رکھنے کا تہیہ کئے ہوئے ہے

— سویڈن ناروے اور رومانیہ کو بھی جرمن حملہ کا خطرہ ہے۔

— اٹلی بھی جنگ کے لئے تیار ہورہا ہے۔

— گذشتہ ہفتہ پنجاب کے اکثر علاقوں میں بارش ہوئی۔ جس کا فصلوں پر اچھا اثر ہوا۔ گندم اور روئی وغیرہ کے بھاؤ گر گئے ہیں۔

— بمبئی ۲۲ جنوری۔ کل ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے پنڈت نہرو نے کہا۔ کہ گورنمنٹ اور کانگرس کے درمیان سمجھوتے کا کوئی امکان نہیں۔

— لاہور۔ ۲۳ جنوری۔ پنجاب اسمبلی کا آئندہ اجلاس ۲۹ جنوری کو دوبارہ منعقد ہوگا۔ غیر سرکاری کاروبار کے لئے یکم فروری کا دن مقرر ہوا ہے۔ بیگم رشیدہ باجی اس روز یہ تجویز پیش کرینگی۔ کہ حکومت شب برات کے موقعہ پر آتشبازی کو حکماً بند کردے۔

— لنڈن ۲۳ جنوری۔ حکومت برطانیہ نے اٹلی سے وسیع پیمانے پر جنگ میں کام آنے والی اشیاء خریدنے کا انتظام کرلیا ہے

— لنڈن ۲۳ جنوری۔ فرانس میں مقیم پولش فوج کے ہائی کمانڈ کا اعلان مظہر ہے۔ کہ پولینڈ کا ستر فی صدی بحری بیڑہ بچ کر نکل آیا ہے۔ اور اتحادیوں کے ساتھ مل کر کام کررہا ہے۔

— لنڈن ۲۳ جنوری۔ گذشتہ ہفتہ میں چار برطانوی اور گیارہ غیر جانبدار ملکوں کے جہاز غرق ہوئے۔

۴۰ لاکھ بھیلوں کو بچائیے

مندرجہ بالا عنوان سے ایڈیٹر اخبار پرکاش لکھتا ہے۔ کہ بڑودہ۔ اندور۔ بانسواڑہ۔ سیلانہ گوالیار۔ رتلام۔ کشن گڑھ۔ برووانی۔ جھابوا۔ منتھرام پور۔ بجیلی اور کھانڈوہ وغیرہ سی۔پی کی ریاستوں میں ۴۰ لاکھ بھیل آباد ہیں۔ یہ لوگ تیر تلوار اور بندوق وغیرہ ہتھیار چلانے میں ماہر ہیں۔ لیکن افسوس کہ ان میں سے ۱۴ لاکھ عیسائی ہوچکے ہیں۔ اگر ہندوؤں نے ان کی سُدھ نہ لی۔ تو باقی ۲۶ لاکھ بھی ہم سے جدا ہوجائیں گے۔ سینکڑوں عیسائی مشنری ان لوگوں میں پرچار و سہاٸتا کا کاریہ کررہے ہیں۔

مدیر پیغام کالانعام کو بشارت

انہیں ماتم ہمارے گھر میں شادی
فسبحان الذی اخزی الاعادی

احباب نے یہ مسرت انگیز خوشخبری تو سُن لی ہوگی۔ کہ محترم خان بہادر مولوی غلام حسن خان صاحب پشاوری مدظلہ العالی نے جو قریباً ۲۶ سال سے تخت گاہِ رسول سے تعلق توڑ کر اہل پیغام کے دام میں پھنسے رہے۔ آخر وہاں سے بھی اطمینان قلب نہ پاکر علیحدگی اختیار کرلی۔ اور بالآخر خلافت جوبلی پر دار الامان تشریف لائے۔ جہاں پر انوار خلافت اور صداقت رسالت کے زندہ ثبوت پاکر پاک باطنی اور پاک فطرت کے تقاضے سے بانشراح صدر بیعت خلافت حضرت فضل عمر پر آمادہ ہوگئے۔ اور ۲۲ جنوری بروز دوشنبہ مبارک حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ کی بیعت کرلی۔ خان بہادر موصوف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پرانے اور ممتاز صحابی تھے۔ جن کو صدر انجمن کی بنیاد کے وقت حضرت اقدس علیہ السلام نے چودہ ممبروں میں خود منتخب کیا۔ خاکسار ایڈیٹر فاروق سے بھی آنمکرم کو ابتداء سے انس رہا۔ اور ہمیشہ عزت کی نظر سے دیکھتے رہے۔ نیرنگیٔ زمانہ سے ۱۹۱۴ء میں جب پیغام بلڈنگ کے ایک احاطہ میں

خلافت کے کرتے

تقسیم ہونے لگے۔ تو چار خلیفے منظور ہوئے۔ ولایت کے لئے خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم۔ پنجاب کے لئے میر حامد شاہ صاحب مرحوم۔ صوبہ سرحد کے لئے خانبہادر مولوی غلام حسن خاں صاحب مدظلہ اور مرکز کے لئے بالفاظ اہل پیغام حضرت صاحبزادہ میاں محمود احمد صاحب

خدا کے کام

ولایتی خلیفہ تو ریٹائر ہوکر ہندوستان آگئے۔ میر حامد شاہ صاحب مرحوم پیغامی خلافت کو برٹش خاوند حوالہ کر کے خلافتِ حقہ کی بیعت سے مشرف ہوگئے۔ اور حضرت صاحبزادہ صاحب خدائی انتخاب میں آکر خلیفہ اعظم اور موعود خلیفہ بن گئے۔ باقی رہ گئے تھے خان بہادر۔ سو یہ بھی خلافت سے مستعفی ہوکر آخر خلیفہ اعظم الوالعزم فضل عمر مصلح موعود ایدہ اللہ الودود کی بیعت کرکے رضاء الٰہی کے مستحق بن گئے۔ اس طرح سے خانہ ساز خلیفے سب کے سب انکی عطا کردہ خلافتیں بمصداق کالائے بد۔ بریش خاوند اہل پیغام کے لئے ابد الآباد تک ان کی ناکامی پر زندہ گواہ بن گئے۔ کاش ان ...

طبیہ عجائب گھر کے متعلق ایک مشہور اخبار نویس کے تاثرات

احسان یکم جنوری ۱۹۴۰ء لکھتا ہے:۔

قادیان یوں تو سارا ہی خدا کے فضل سے عجائب گھر ہے۔ مخالفین کی نظر میں بھی اس کے عجائبات کم نہیں۔ اور موافقین کی نظر میں بھی۔ لیکن وہاں کا ایک عجائب گھر قابل داد ہے۔ اور یہ ہے خان عبد العزیز صاحب کا طبی عجائب گھر دنیا میں بہت کم عجائبات ہونگے۔ جو یہاں موجود نہ ہوں۔ مکان میں داخل ہوتے ہی آپ عجائبات سے دوچار ہوں گے۔

اول تو مکان ہی خدا کے فضل سے عجائب گھر ہے۔ رہائشی حصہ مکمل۔ باقی نامکمل۔ پھر اگر چائے کا وقت ہو۔ تو دنیا سے عجیب چائے آپ کو ملے گی۔ چار کم زعفران زیادہ۔ اور اگر آموں کا موسم ہو۔ تو سبحان اللہ ایسے ایسے آم کہ دیکھے ہوں۔ نہ سُنے ہوں۔ اور اگر اکل و شرب کا وقت نہ ہو۔ تو پھر عجائب گھر نقاد کے لئے اچھی خاصی جنت ہے۔ جو بہت سے جانداروں کا مفرد بھی ہے۔ ایک کمرے میں مفردات ملاحظہ فرمائیے۔ یہ ریگ ماہی۔ یہ کستوری۔ عنبر۔ یہ نیلم۔ یہ مرجان اور الم غلم دنیا بھر کی دوائیاں۔ ایک طرف آثار قدیمہ سنگ مرمر کی گائیں۔ پتھر کے منقش گلاس سنگ مرمر میں قیمتی جڑاؤ پتھروں کی شطرنج۔ زہر مہرہ کی کھرل پائپ۔ پیالے۔ خشک میوے جواہرات اور خدا جانے کیا کیا کچھ۔ دوسرے کمرہ میں مرکبات۔ یہ معجون نشاط۔ یہ معجون عود۔ یہ گولیاں یہ قرص۔ یہ سرمہ۔ یہ تیل ہر مرض کی دوا موجود اور پھر لطف یہ ہے۔ کہ عجائب گھر کے مہتمم صاحب بغیر اس تشخیص کے کہ کوئی مرض ہے بھی یا نہیں۔ ہر مرض کی دوا چکھانے چلے جارہے ہیں۔ اور اگر آپ کھاتے نہیں۔ تو لڑکے کو حکم دے رہے ہیں۔ کہ لفافوں میں ڈالتے جاؤ۔ اور باندھ کر مہمان کے حوالے کرو۔ یا للعجب۔ اچھا عجائب گھر برتن عجیب۔ فرنیچر۔ گھر عجیب۔ گھر کا سامان عجیب اور صاحب خانہ عجیب تر۔ اور مقام کی تو کچھ پوچھئے ہی نہیں۔ انسان وہاں سے اچھا خاصہ عجوبہ بن کر اٹھتا ہے سالک صاحب نے آم۔ مرغ۔ بٹیر۔ معجون۔ میوہ۔ چائے خدا جانے کس کس چیز کو پیٹ میں رکھا۔ کہ ماشاء اللہ اب ان کی توند بجائے خود ایک عجائب گھر بن گئی ہے۔ اگر کسی قابل حکیم نے خبر نہ لی۔ تو کہیں اس عجائب گھر کے کواڑ نہ کھل جائیں۔ خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے۔

تفاصیل کے لئے فہرست مفت طلب کریں۔

پروپرائٹر طبیہ عجائب گھر قادیان